# فاضلِ بریلوی کا مسلک

{شریعتِ مطہرہ کا مظہر}

عبدُ العزیز عُرفی

گیلانی پبلشرز کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فاضلِ بریلوی کا مسلک

## شریعتِ مطہرہ کا مظہر

(قرآنِ حکیم احادیثِ نبویؐ اور مستند کتابوں سے ایک سو پچیس ۱۲۵ سے زائد حوالے)

علامہ القادری عبد العزیز عرفی

جانشین و خلیفہ مجاز حضرت السید عبد القادر الگیلانیؒ

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ


گیلانی پبلشرز کراچی

نقش دوم ________ اکتوبر ۱۹۹۶ء

تعداد کتب ________ ۵۰۰/-

اہتمام طباعت ________ وسیم العزیز

ناشر ________ گیلانی پبلشرز کراچی۔

طباعت ________ الجنت پریس ایم اے جناح روڈ کراچی۔

قیمت چالیس ۴۰/ روپے

قیمت خرید ______ 27/- روپے

# موضوعات


| | |
|---|---|
| ا۔ فیضانِ غوث۔ از حضرت مفتی تقدس علی خاں صاحب | ۳ |
| ب۔ عرضِ ادریس | ۵ |
| ۱۔ فاضلِ بریلوی کی شخصیت | ۹ |
| ۲۔ بریلوی مسلک | ۱۱ |
| ۳۔ فاضلِ بریلوی کا عہد | ۱۳ |
| ۴۔ مسلک ولی اللّٰہی | ۱۷ |
| ۵۔ فاضلِ بریلوی حُبِ مصطفےٰ میں مخمور | ۲۱ |
| ۶۔ دانشورانِ اسلام کی چند آراء | ۳۳ |
| ۷۔ فاضلِ بریلوی کے مسلک سے بدگمانی اور حقیقت | ۳۶ |

| | |
|---|---|
| ۸۔ مسئلہ حیات النبیؐ | ۳۸ |
| ۹۔ مسئلہ حاضر و ناظر | ۵۴ |
| ۱۰۔ مسئلہ بابت ندائے غائبانہ | ۷۱ |
| ۱۱۔ مسئلہ بابت مدد مانگنا غیر اللہ سے | ۷۸ |
| ۱۲۔ مسئلہ فاتحہ نیاز و نذر | ۹۲ |
| ۱۳۔ مسئلہ تعظیم و تکریم اولیاء اللہ | ۱۰۲ |
| ا۔ عرس کی حقیقت | ۱۱۲ |
| ب۔ سماع بموقعہ عرس | ۱۱۵ |
| ج۔ تاریخ عرس | ۱۱۶ |
| د۔ عرس بدعت نہیں۔ | ۱۱۷ |
| ۱۴۔ مسئلہ بابت پیری و مریدی | ۱۲۳ |
| ۱۵ کتابیات | ۱۳۰ |

# فیضانِ غوث

بحمداللہ زیرِ نظر کتاب کا مسودہ پڑھا۔ اس میں اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہ کی شخصیت کا اجمالی تذکرہ ہے اور ان مسائل پر اچھی گفتگو کی کوشش کی گئی ہے جو اہلِ سنّت وجماعت کے مسلک کی عکاسی کرتے ہیں۔ سچّی بات یہی ہے کہ اعلیٰحضرت نے کوئی نیا مسلک ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ اسلاف کے مسلک اہلِ سنّت وجماعت کو جس پر ائمہ اربعہ کے مقلدین متحد ومتفق رہے ہیں حقیقی طور پر پیش کیا اور اس کو توانائی دی۔ اعلیٰحضرت کے مخالفین نے بدگمانیاں پھیلائیں۔ ان بدگمانیوں کو دُور کرنا ہمارا فریضہ ہے اور اس کام کو جناب عبدالعزیز عرفی نے احسن طریقہ پر انجام دیا ہے جس کے لئے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔

عرفی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کا ذوق عطا فرمایا ہے اور اُن کا قلب حبّ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے۔ اسی لئے علم وعرفان کی نمایاں جھلک انکی دیگر کتب اور خصوصاً سیرت ایوارڈ یافتہ کتاب جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں نمایاں رہی ہے وہ اس کتاب سے بھی مترشح ہے۔

عرفی صاحب اس انداز سے قلم اٹھاتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دل میں

بات اتر جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ فیضانِ ہے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور تصرف ہے اُن کے پیرو مرشد حضرت السیّد عبدالقادر الگیلانی علیہ رحمۃ کا جنہوں نے طریقۂ قادریہ کا خرقہ انہیں پہنا کر اپنی جانشینی کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ یہی اکابرینِ اصفیا کا طریقہ رہا ہے۔ انکی تصنیفات بھی اصل میں انکے پیرو مرشد کی قدرشناسی، دور اندیشی اور بے پایاں محبت ہی کی مظہر ہیں۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اور اس کے بانی و صدر جناب سیّد ریاست علی قادری بھی قابلِ ستائش ہیں کہ انکی درخواست پر یہ عنوان مذکورہ قابلِ قدر مقالہ گذشتہ سال شیرٹن ہوٹل کراچی میں "امام احمد رضا" کانفرنس میں پڑھا گیا۔ جس کو اب موصوف نے بڑی محنت سے کتابی صورت میں پیش کیا ہے۔

فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ
درگاہ شریف حضرت پیر صاحب پاگارو
پیر گوٹھ خیرپور

(فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ
جامعہ راشدیہ۔ درگاہ شریف حضرت پیر صاحب
پاگارو۔ پیر گوٹھ۔ خیرپور)

۲۲ ستمبر ۱۹۸۷ء

# عرضِ اوّلیں

تمام تر حمد و ثنا، تعریف و توصیف اور پاکی و بے نیازی حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو راہ کا تعین کرنے والا بھی ہے اور راہ دکھاتا بھی ہے۔ اور لاکھوں صلوٰۃ والسلام اس کے حبیب خیر البشر خاتم الانبیاء محمدؐ ابن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جن کے نقوش پا رہبری و رہنمائی بھی کرتے ہیں اور منزلِ مقصود پر پہنچا بھی دیتے ہیں۔ یہ بندۂ عاصی تو انہی راہوں سے فیض یاب ہوتا آیا ہے اور انہی راہوں پر اس کتاب کی تکمیل ہوئی ہے۔

زیرِ نظر مقالہ ادارۂ تحقیقات احمد رضا کراچی کی دعوت پر لکھا گیا اور امام احمد رضا کانفرنس منعقدہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۶ء بمقام شیرٹن ہوٹل کراچی پڑھا گیا۔ بعدۂ چاء اور نماز کے وقفہ کے دوران جب سامعین کی خاصی تعداد نے اس ناچیز کی کاوشوں کو سراہا تو ایک خصوصی بات قابلِ غور سامنے آئی۔ مقالہ پر اظہار رائے کرنے والوں میں تقریباً سب ہی نوجوان تھے۔ بعد میں چند نے ٹیلیفون بھی کئے اور کچھ لوگوں سے بعد میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے کافی روز گزر جانے کے بعد بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اسی دوران راقم السطور نے چند سنجیدہ اور متین حضرات سے آپکی پسند کی وجہ بھی دریافت کی تھی۔ بعض نے

کہاکہ آپ نے اُن باتوں کو بیان کیا جنہیں ہمارے علمار بیان نہیں کرتے۔ کچھ نے کہاکہ جو باتیں ہمارے اذہان میں واضح نہیں تھیں آپ کے مقالہ سے واضح ہوگئیں۔ چند نے یہ بھی کہاکہ آپ کی بیان کردہ باتوں سے ناواقفیت کی بناء پر ہم کو بدعت اور شرک کے طعنے ملتے رہے ہیں۔ اب انکی حقیقت سے آگہی ہوئی۔ بعض حضرات نے یہ کہتے ہوئے کہ علمائے کرام کی لکھی ہوئی کتابوں کا مفہوم بڑی مشکل سے سمجھ میں آتا ہے علمار کے خلاف شکوے شکایات بھی کرڈالیں۔ علمار کے خلاف شکوے شکایتیں ایک فیشن بن گئی ہیں یہ علمائے کرام کی خدماتِ جلیلہ ہیں کہ آج ہمارے پاس اسلامی لٹریچر بھی ہے اور اسلامی ماحول بھی۔ سیاہ بھیڑیں ہر جگہ اور ہر شعبہ میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا علمار میں بھی ایسے افراد رہے ہیں جنہوں نے ذاتی مفادات اور شہرت کو دینی خدمات پر ترجیح دی لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ علمار من حیث الجماعت مطعون کئے جائیں۔ عوام میں اگر حق اور ناحق کی شناخت آجائے اور وہ بے باکی سے ناحق کو ناحق کہنے لگیں تو گندم نما جو فروش خود بخود بے نقاب ہوجائیں گے۔

قطع نظر اور باتوں کے مذکورہ آرار سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے مسلک پر قایم ضرور ہیں لیکن مسلک کی اساسی باتوں سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتے، گو واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اُنسے یہ توقع رکھنا کہ ہر ایک کتابیں پڑھ کر آگہی حاصل کرے گا، کم ازکم موجودہ حالات میں بے جا ہوگا۔ اوّلاً تو کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں۔ دویم ہمارے ملک میں کتب خانوں کا فقدان اور سویم مذہبی اداروں کی طرف سے ایسی سہولتیں

حام نہیں ہیں۔ بہر کیف یہ ذمہ داری علمائے کرام پر ہی آتی ہے۔ اُن کو وہی باتیں بیان کرنا چاہییں جو سامعین کے علم میں اضافہ کریں۔ توجہ مبذول کرانے کیلئے ہی مذکورہ باتیں یہاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک بات نوجوانوں سے بھی کہوں گا کہ اپنے دین اور اپنے مسلک سے واقفیت کا جو جذبہ آپکے قلوب میں موجزن ہے وہ اِس امر کا بھی متقاضی ہے کہ آپ شرم و جھجک کو بالائے طاق رکھیں اور علمائے کرام سے وہی باتیں محافل و مجالس میں بیان کرنے کی درخواست کریں جن سے آپ آگہی چاہتے ہیں۔ حصولِ علم میں شرم و جھجک ممنوع ہیں۔ ان محافل و مجالس کا تو مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ آپ جب وہاں سے اٹھیں تو خالی دامن نہ جائیں۔ وقتی جوش و جذبہ ایک خطیب اور مقرر کے لئے تو فرحت و مسرت کا باعث ہو سکتا ہے۔ آپ یہ سوچیں کہ آپ نے اُس محفل یا مجلس سے کیا علم پایا۔ ہمارے آقا و مولیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو تمام مسلمانوں کے لئے فرض قرار دیا ہے اور غوث الورا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے علم کو روشنی کہا ہے اور جہالت کو تاریکی۔ جہاں روشنی ہوتی ہے وہاں محبت پروان چڑھتی ہے اور جہاں تاریکی ہوتی ہے وہاں نفرت اور بدگمانی کے سائے پرورش پاتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ لکھتے وقت دو ہی باتیں سامنے تھیں۔ اوّل یہ کہ فاضلِ بریلوی کے حقیقی مسلک کو بہ اختصار پیش کیا جائے۔ اسی لئے صرف اساسی مسئلوں کو منتخب کیا گیا۔ دویم یہ کہ انکے مسلک سے متعلق جو بدگمانی کے مصنوعی بادل پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں وہ چھٹ جائیں، فضا صاف ہو جائے اور اہلسنت

و جماعت اس مقام پر متحد و متفق ہو جائیں جہاں سے احیائے عظمت اسلام ممکن ہو اور پاکستان حقیقی معنوں میں نظام مصطفےٰ کا آئینہ دار بن کر دنیا کے نقشے پر ابھر آئے۔ انہی باتوں کے پیش نظر بعد میں مزید اضافے بھی کئے گئے ان مقاصد میں کُلّی کامیابی کا دعویٰ نہیں۔ چونکہ راقم السطور کو اپنی کم مائیگیِ علم کا احساس ہے۔ لیکن یہ امید ضرور ہے کہ یہ چھوٹا سا چراغ ارباب دانش اور اہلِ علم کو ایسی شمعیں روشن کرنے کی جانب راغب کر سکتا ہے جن کی روشنی میں نہ صرف اہلِ سنّت و جماعت بلکہ جمیع مسلمین اپنے اپنے عقائد اور مسالک پر قائم رہتے ہوئے اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیں اور ایک دوسرے کو بدگمانی اور تشویش کی نظروں کے بجائے پر اعتماد اور محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔ یہی منشائے الٰہی ہے اور اسی میں اتباعِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ممنون ہوں حضرت علامہ مفتی تقدّس علی خاں صاحب قادری مدظلہ العالی کا کہ انہوں نے اس کتاب کے مسودہ کو پڑھا اور اپنی گرانقدر رائے سے بھی نوازا۔ آپ نہ صرف فاضلِ بریلوی کے خانوادۂ عالیہ کے بزرگ ہیں بلکہ آپ کو امام احمد رضا خاں علیہ رحمتہ سے شرف بعیت و تلمذ بھی حاصل ہے۔ و نیز حضرت شاہ مرداں پیر صاحب پگارا کی علمی و روحانی تعلیم و تربیت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی چونکہ قیام پاکستان کے بعد سے پیر جو گوٹھ ہی آپ کا وطن ہے اور آپ کی کاوشوں سے جامعہ راشدیہ علم و عرفان کا مرکز بنی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔

بندۂ حقیر

عبد العزیز عرفی

۲۷ ستمبر ۱۹۸۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فاضلِ بریلوی کی شخصیت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت ہم کو ماضیِ قریب میں اُبھرنے والے اکابرینِ اسلام میں بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ جس کی مثال اُس ہشت پہلو ہیرے کی مانند ہے جس کے ہر رخ سے رنگ برنگی کرنیں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہوں۔ لہٰذا اُن کی قد آور شخصیت کا جائزہ لینے اور حقیقی خدوخال پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انکی زندگی کے ہر رُخ پر نظر ڈالی جائے۔ لیکن اس کانفرنس کے پیشِ نظر مختصر وقت میں نہ کُلی طور پر آپ کی زندگی کے خصوصی حالات و واقعات کا اظہار ممکن ہے اور نہ آپ کی جملہ کاوشوں کا تذکرہ۔

فاضلِ بریلوی صرف عالمِ دین ہی نہ تھے بلکہ وہ علمِ ریاضی کے ایک ماہر کی حیثیت سے بھی نظر آتے ہیں۔ ماضیِ قریب کی شخصیات میں ایسے حضرات کم ہی گذرے ہیں جو بیک وقت مفسرِ قرآن، عظیم محدث، فقیہ جلیل، مفتیِ کبیر، خطیب سحر بیاں ہونے کے علاوہ میدانِ معرفت و حقیقت میں مسلمہ حیثیت کے حامل رہے ہوں۔ نہ صرف یہ تمام خوبیاں احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی شخصیت میں جمع نظر آتی ہیں بلکہ وہ علوم ہیئت و نجوم صوتیات و توقیت تکسیر و جفر اور فلسفۂ جدید و قدیم میں بھی نمایاں مقام پر

نظر آتے ہیں۔ انکی تصنیفات میں علم العقائد الکلام، علم نحو، علم منطق علم بیان، علم معانی کے بھی گہرے نقوش نظر آتے ہیں جو انہوں نے اپنے والدِ ماجد مولانا محمد نقی علی خاں سے حاصل کئے۔[1] مذکورہ علوم کے علاوہ انہیں قرأت و تجوید، تصوف و سلوک، سیر و تواریخ، لغت و ادب اور اسماء الرجال میں بھی دسترس حاصل تھی۔ وہ جس طرح تحریر و تقریر میں مہارت کے حامل تھے اسی طرح نظم و نثر میں بھی انکا رنگ نمایاں ہے۔ جو قدرتِ زبان انہیں اردو میں حاصل تھی وہی عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت میں بھی نمایاں رہی۔ پانچ زبانوں کے الفاظ پر مشتمل نعت گوئی انہیں کا خاصہ ہے۔

فاضلِ بریلوی کی شخصیت میں جہاں علم و عرفان کے دھارے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ وہاں بہت سے مقامات پر وہ شمشیر بکف بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ روپ اَلحُبُّ لِلّٰہِ وَالبُغضُ لِلّٰہِ کا پیکر نظر آتا ہے۔ کہیں ذاتی عناد یا رنجش کے سائے منڈلاتے نہیں ملتے۔ نہ کہیں حُبِّ جاہ یا طلبِ مال کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ تو برملا کہتے ہیں۔

کروں مدحِ اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

درحقیقت انکی ہمہ گیر شخصیت اس امر کی متقاضی ہے کہ فاضلِ بریلوی کی جملہ کاوشوں کو انکی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات

---

[1] احمد رضا خاں بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی

کی روشنی میں اس طرح پیش کیا جائے کہ کاوشوں کے محرکات بھی سامنے آتے جائیں اور ان کا مقصود بھی نمایاں رہے۔ یہ بات نہ اِس وقت پیشِ نظر ہے اور نہ ہی اس مختصر وقت میں ممکن۔ اس کانفرنس کی افادیت کے پیشِ نظر تو صرف فاضلِ بریلوی کا مسلک ہے۔ چونکہ وہی آپ کی شناخت بن چکا ہے۔ اور مجموعی طور پر وہی آپ کی شخصیت کا مظہر ہے۔

## بریلوی مسلک

بریلوی مکتبۂ فکر کی اساس حُبِّ رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ وہی دھارا ہے جو حبیب ربّانیؐ کی ذاتِ اطہر سے جاری ہوا اور جو صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اولیائے عظام اور غلامانِ مصطفےؐ کے قلوب کو سیراب کرتا رہا ہے اور منزلِ آخرت کی طرف رواں دواں ہے۔ احمد مختار نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے اپنے قلوب کو معمور کر کے ہی اس مسلک کے سالکوں نے اتباعِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزل کو پایا ہے اور قربِ الٰہی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اسی مسلک سے علم وعرفان کے دھارے پھوٹے ہیں اور اِسی مسلک نے ائمۂ اربعہ کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

طریقۂ قادریہ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے نام سے معروف ہے۔ حالانکہ یہ بھی اسی مسلک کی ایک کڑی ہے اور

حُبِّ مصطفےٰؐ سے جاری دھارے کا حصّہ ہے۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا[۲]:

"اور میں اس طریقہ کو قایم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور آپؐ کے تابعین رہے ہیں۔"

یہی بات ہم کو فاضلِ بریلوی کے یہاں ملتی ہے۔ وہ کوئی بھی بات سنّتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹ کر نہیں کہتے۔ وہ ہر بات کی توضیح قرآن وسنّت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ حُبِّ رسولؐ کے سہارے قدم اٹھاتے ہیں اور یہی درس عام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ماضی سے اپنا تعلق استوار رکھتے ہیں اور سلف صالحین واکابرینِ اسلام کی آرار کو قدر و منزلت سے دیکھتے ہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی حُبِّ رسولؐ میں کمی پاتے ہیں بھڑک جاتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے اپنے ابتدائی ایام کے دوران ایک ایسی تحریک کو ابھرتے ہوئے دیکھا جو حُبِّ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاری شدہ دھارے کی راہ مسدود کر رہی تھی۔ لہٰذا وہ اُس تحریک کے آگے سینہ سپر ہو گئے۔ آج وہی جذبۂ ایثار بریلوی مسلک کے نام سے معروف ہے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک، اس ضمن میں کی گئیں کاوشوں کو سمجھنے اور اس کی اصل روح کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ اُس

---

ع۲ الفتح الربانی ص ۵۲۹.

ماحول کا اجمالی تذکرہ بھی کیا جائے۔ جس میں رہتے ہوئے انہوں نے یہ جرأت مندانہ اقدام اٹھائے اور پھر انکی وہی جرأت مسلک کا روپ اختیار کر گئی۔

# فاضل بریلوی کا عہد

فاضل بریلوی کی ولادت ۱۴ ار جون ۱۸۵۶ء (۱۰ ارشوال ۱۲۷۲ھ) بمقام بریلی ہوئی اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ (۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ) بعمر ۶۵ برس انتقال فرما گئے۔[ع۳] یہ زمانہ دنیائے اسلام کے دورِ انحطاط کا وہ عہد ہے جبکہ ایک طرف بطنِ اسلام سے وہ تحریک سر اٹھا رہی تھی جس نے مسلمانوں کا تعلق انکے ماضی سے مذہب کے نام پر منقطع کرنے کی ٹھان رکھی تھی اور دوسری جانب دشمنانِ اسلام طاقتیں مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتی تھیں۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے جس بندہ سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ اس کی انہی خطوط پر تربیت بھی کرا دیتا ہے اور اس کام کا بار اٹھانے کا متحمل بھی بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی فضل و کرم ہم کو احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔ تیرہ برس[ع۴] دس ماہ اور پانچ یوم کی عمر کو پہنچے تھے کہ علومِ شرعیہ میں فارغ التحصیل ہو کر علمائے

---

ع۳ حیات اعلیٰ حضرت از ظفر الدین بہاری۔

ع۴ احمد رضا خان۔ الاجازۃ الرضویہ۔ بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۹۲۔۹۵

اسلام کی صف میں شمار ہونے لگے۔ اکیس سال سے کچھ ہی متجاوز ہوئے تھے کہ حضرت شیخِ طریقت شاہ آلِ رسول مارہروی کے دستِ توسل سے طریقۂ قادریہ میں بیعت کی اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ طریقۂ قادریہ کی وابستگی سے جہاں حبِ رسولؐ کی راہیں مستحکم ہوتی گئیں وہاں قرآن و سنت کا رنگ بھی مزاج بنتا چلا گیا۔ بائیس سال کی عمر میں فریضۂ حج ادا کیا اور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شرفِ حاضری سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں جب کہ عمر پچاس برس بھی نہ ہوئی تھی دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے گئے اور مدینہ منورہ میں تجدید غلامی کیا۔[۵]

فاضل بریلوی کی عمر کے مذکورہ ابتدائی پچاس برس بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ اس دور میں آپ نے علمی اور روحانی منزلیں طے کیں۔ ان واقعات اور حالات کا مشاہدہ کیا جو اسلام کی بنیادیں مذہب کے نام پر ڈھانے کا سبب ہو رہے تھے۔ اور ان کے خلاف صدائے احتجاج نہ صرف بلند کی بلکہ انکے تخریبی اثرات کا مداوا بھی کیا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری نصف میں علاقہ نجد سے ابھرنے والی وہابی تحریک نہ صرف جزیرۃ العرب میں اپنے قدم جما چکی تھی بلکہ اس کے اثرات برصغیر ہند میں بھی نمایاں ہونے لگے تھے۔ مسلمانوں کی مرکزیت پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ دشمنِ اسلام عیسائی طاقتیں مسلمانوں کے

---

۵ احمد رضا خان ۔ الاجازۃ الرضویہ ۔ بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ ص ۹۲۔ ۹۵

علاقوں پر قابض ہو چکی تھیں یا انکے درمیان گھس کر انھیں اپنے ہی گھروں سے بیدخل کر رہی تھیں۔ اس طرح مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے مغلوب تھے بلکہ علمی اعتبار سے محروم ہوتے چلے جارہے تھے۔ اور علم سے محرومی انھیں جہالت کی راہوں پر ڈال رہی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کا انکے ماضی سے رشتہ استوار کر کے ان میں اتحاد و اتفاق قایم کیا جاتا تاکہ وہ اپنے تشخص، اسلام کی بقا اور سربلندی کے لئے سینہ سپر ہو جاتے۔ لیکن وہابی تحریک کے اثرات اس کے بالکل برعکس ہو رہے تھے۔

وہابی تحریک کی بنا محمد ابن عبدالوہاب نے توحید کے نام پر ڈالی تھی اور امام ابن تیمیہؒ کی تعلیمات کے حوالے سے نئے اعتقادات کو اپنی تحریک کی اساس قرار دیا تھا۔ چونکہ یہاں اس تحریک پر تنقید مقصود نہیں۔ صرف اس تحریک کے ملتِ اسلامیہ پر اثرات کا جائزہ مقصود ہے لہذا انہی چند باتوں کا اجمالی تذکرہ کیا جائے گا جو فرزندانِ توحید پر اثرانداز ہوئیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا مسئلہ عدم وجوب تقلید کا ہے

وہابی تحریک سے قبل تمام عالمِ اسلام کے اہلِ سنّت مسلمان ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ میں سے کسی ایک کے پیرو اور انکے طے کردہ مسائل فقہ میں سے کسی ایک کے مقلد چلے آرہے تھے۔ فقہی اختلاف چونکہ علمی تھا اور ہر ایک کی اساس

قرآن وسنت پر تھی لہٰذا یہ وجہ افتراق یا بنائے فساد نہ تھا۔ بلکہ چاروں ائمہ کے پیروکار اپنے کو اہلِ سنت کہنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز باعتبارِ فقہ حنبلی تھے لیکن تمام اہلِ سنت کے علم بردار اور ہر فرقہ اور مسلک کے محبوب رہبر و رہنما تھے۔ بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی پتہ چلا ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے مزارِ اقدس کے متولی بھی رہے ہیں[۶]۔ یہ فیضان تھا اُس حقیقی تصوف کا جو محبوب سبحانی نے قائم فرمایا۔ جس کی روشنی میں امتِ مسلمہ کے اختلافات معدوم ہوئے۔ غیر اسلامی اور غیر شرعی رسوم ورواج نے دم توڑا، عرفانِ حق عام ہوا اور حبّ مصطفےٰ نے غلامانِ مصطفےٰ کو منسلک و منضبط کردیا۔ المختصر ائمہ اربعہ کی قیادت کو جمیع امتِ مسلمہ تسلیم کرچکی تھی اور بوقتِ ضرورت ایک دوسرے کے مسائل سے استفادہ کرنا بھی عام تھا۔ اِسی لئے اُنکے لئے اہلِ سنت وجماعت کی اصطلاح عام ہوئی۔

مسئلہ "عدم وجوب تقلید" سے امتِ مسلمہ پر کیا اثرات مرتب ہوئے وہ اب نوشتۂ دیوار ہیں۔ توحید، قرآن اور اسلام کے نام پر برِ صغیر میں کتنے فرقے اور جماعتوں نے جنم لیا۔ احناف کا اتحاد کس طرح پارہ پارہ ہوا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ان خطرات کی نشاندہی خود اُن حضرات کی طرف سے ابتدائی دور میں کرائی گئی جو خود وہابی تحریک میں شامل ہوئے۔ شیخ محمد اکرام موجِ کوثر میں مولانا اسمٰعیل دہلوی کا ذکر

---

۶ شورٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۵

کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"شاہ اسمٰعیل صاحب نے بڑی قابلیت سے مسئلہ "عدم وجوب تقلید" کی حمایت کی۔ اس وقت شاہ صاحب نے جو رائے دی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ وقت ترکِ تقلید کا نہیں ہمیں اس وقت کفّار سے جہاد کرنا ہے۔ تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں۔ اس جھگڑے سے جس کی بناء ایک فروعی اختلافِ سنّت یا مستحب ہے۔ ہمارا اصل کام ہجرت اور جہاد کا جو فرضِ عین ہے فوت ہو جائے گا"

شاہ اسمٰعیل کی اس رائے سے مسئلہ "عدم وجوب تقلید" کی قدر و قیمت بھی واضح ہے اور جن خطرات کا اظہار کیا گیا وہ بھی حقیقت بن کر سامنے آئے۔ بعد میں یہ مسئلہ کس قدر پیچیدہ ہوتا چلا گیا وہ بھی عیاں ہے اگر ان کا مقصود کچھ اور تھا تب بھی انکے خدشات ہی صحیح ثابت ہوئے۔ شاہ اسمٰعیل حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ ابتداءً انہی کے مسلک پر قایم رہے۔ بعد میں انحراف کر گئے۔

## مسلک ولی اللّٰہی

شاہ ولی اللہ کی حیثیت اور ان کا مسلک آج بھی مسلّمہ ہے۔ بریلوی اور دیوبندی مکاتبِ فکر کے اکثر اکابرین نے انہی سے فیض پایا ہے فاضل بریلوی

---

۷ موجِ کوثر ص ۶۲

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا سلسلۂ اسناد بھی شیخ عابد السندی المدنی مولانا محمد عبد العلی لکھنوی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ملتا ہے۔[8]

شاہ صاحب بہ اعتبار فقہہ حنفی تھے اسی لئے مسلک ولی اللٰہی کی اساس تقلید پر تھی۔ ہاں وہ بوقتِ ضرورت ایک مجتہد کے اس[9] حق کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ اربعہ ائمہ میں سے جس کسی کا قول کسی معاملے میں قرآن وسنّت کے زیادہ موافق اور نزدیک پائے اختیار کرے۔ مکتبہ ہائے فکر بریلوی اور دیوبند کا آج بھی یہی عمل ہے۔

شاہ ولی اللہ مشرباً اہلِ طریقت تھے۔ وہ اپنی تصنیف "قول الجمیل فی بیان سواء السبیل" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ "یہ چند فصلیں مشتمل ہیں قواعدِ طریقت پر یعنی کلیاتِ درویشی پر اور اس پر جو طریقت سے قریب اور مناسب ہے یعنی دعوات اور اعمال پر جس کو ہم نے اپنے نقشبندی اور قادری اور چشتی پیروں سے حاصل کیا ہے۔ راضی ہو اللہ تعالیٰ ان[10] سے"

شاہ ولی اللہ مسئلہ التوسّل فی الدعا کے بھی قائل تھے۔ یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اگر بہ حرمتِ فلاں یا بہ حق فلاں کہہ کر دعا کی جائے تو انکے نزدیک قطعی درست ہے۔

شاہ ولی اللہ کے مسلک کا اجمالی تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ اس پر

---

ع۸ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی از ڈاکٹر محمد مسعود ص ۹۵

ع۹ موج کوثر ص

ع۱۰ شفاء العلیل ص ۱۲

علمائے اہلِ سنّت و جماعت انکے عہد میں بھی عمل پیرا تھے اور انکے بعد بھی عمل پیرا رہے۔ ہاں اُنکے پوتے شاہ اسمٰعیل جیساکہ پہلے مذکور ہوا ہے مسلکِ ولی اللہی سے منحرف ہو گئے۔ ابتداءً مسئلہ عدم وجوب تقلید کو امتِ مسلمہ میں تفرقہ کی بناء قرار دینے والے اس کے علم بردار بن گئے۔

ابن عبدالوہاب کی تحریک نے اپنے ابتدائی ایّام میں مکّہ اور مدینہ میں صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیت کے مزارات کی بے حرمتی کر کے ساری امتِ مسلمہ کے قلوب کو مجروح کر دیا تھا۔ اسمٰعیل صاحب اس تحریک سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ نہ صرف انہوں نے اپنے اجداد کے مسلک کو پس پشت ڈالا۔ بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ اس طور پر کیا کہ انکے الفاظ کو دہراتے ہوئے ہر مسلمان کا دل لرز جاتا ہے۔ بہرکیف ان حالات اور ان سے پیدا شدہ جذبات کو سمجھنے کے لئے وہ الفاظ یہاں منقول ہیں:۔

"وصرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو کہ جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورتِ گاؤ خرِ خود است"۔ یعنی ارشاد ہوا کہ اور نماز میں تصوّر کو اپنے شیخ یا ان کی مانند دوسرے بزرگوں کی طرف منعطف کرنا خواہ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی ذات ہو اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔

---

ع۱۱ صراطِ مستقیم از محمد اسمٰعیل مطبوعہ ضیائی ص ۹۵۔

یہ تو ہیں اسمٰعیل صاحب کے خیالات حبیبِ ربانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور سے متعلق جن کے نطقِ اطہر سے نکلے ہوئے الفاظ نماز کے ہر رکن میں پڑھے جاتے ہیں اور جن کے ہر عمل کا صحیح اعادہ ہی نماز ہے۔ انکے دادا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تصورِ شیخ سے متعلق رقمطراز ہیں[۱۲]:

"اور رابطہ مرشد کی شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجہ ہو، یادداشت کی مشق دائمی رکھتا ہو پھر جب ایسے مرشد کی صحبت کرے تو اپنی ذات کو ہر چیز کے تصوّر اور خیال سے خالی کر ڈالے سوائے اس کی محبت کے اور اس کا منتظر رہے جس کا اس کی طرف سے فیض آوے۔ اور دونوں آنکھیں بند کرلے یا ان کو کھول دے اور مرشد کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ٹکٹی لگا دے۔ پھر جب کسی چیز کا فیض آوے تو اس کے پیچھے پڑ جاوے اپنے دل کی جمعیت سے اور چاہیئے کہ اس فیض کی حفاظت کرے۔ اور جب مرشد اس کے پاس نہ ہو تو اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان خیال کرتا رہے بطریقِ محبت اور تعظیم کے تو اس کی خیالی صورت وہ فائدہ دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی تھی۔"

مذکورہ بالا حقائق اور اقتباسات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ

ع۱۲ شفاء العلیل ص ۹۰

اسمٰعیل صاحب نے نہ صرف اہلِ سنّت و جماعت کے متفقہ مسلک بلکہ اپنے خاندانی مسلک ولی اللٰہی سے قابلِ اعتراض بغاوت کی۔ "صراطِ مستقیم" کی اشاعت نے برّ صغیر کے مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کر ڈالا۔ نہ صرف امّتِ مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہوا بلکہ مسلّمہ روایات جن کی اساس قرآن و سنّت پر قایم ہے اور جو اسلام کی تبلیغ و تشہیر کا واحد اور مؤثر ذریعہ رہی ہیں خود مسلمانوں کی نظروں میں مشکوک ہوگئیں۔

## فاضلِ بریلوی حُبِ مصطفٰےؐ میں مخمور

فاضل بریلوی حضرت امام احمد رضا خان فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب میدانِ عمل میں آئے تو انہوں نے امّتِ مسلمہ کو مسئلہ "عدم وجوب تقلید" کی بناء پر پارہ پارہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے امّتِ مسلمہ کے قلوب سے وہ خون رِستے ہوئے بھی دیکھا جو "صراطِ مستقیم" کے مذکورہ اقتباس اور اس کی روشنی میں کہے گئے اقوال کے نیزوں سے دعوتِ عام ہو رہا تھا۔ فاضلِ بریلوی کا قلب تو ابتدا ہی سے حُبّ مصطفٰےؐ سے معمور تھا۔ طریقۂ قادریہ نے جہاں حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرّہ سے نسبت عطا کی تھی وہاں اس کی تعلیمات نے ان کے قلب و نظر میں وسعت اور امّتِ مسلمہ کے لئے محبت بھی پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا وہ حُبّ مصطفٰےؐ، امّتِ مسلمہ کے اتحاد اور حرمتِ اولیائے عظّام کے دفاع کے لئے سینہ سپر ہوگئے۔ ائمہ اربعہ کے مسلک اہلِ سنت و جماعت کا دفاع ان کا شعار بن گیا۔

فاضل بریلوی کے لئے امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل اُسی قدر قابلِ احترام تھے جس قدر امام ابوحنیفہ۔ بہ اعتبار فقہ وہ امام ابوحنیفہ کی تقلید پر ہی عمل پیرا رہے۔ لیکن مذکورہ تینوں ائمہ عظام کی فقہی حیثیت کو بھی ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ائمہ اربعہ کے درمیان تفریق کو کبھی تسلیم نہ کیا۔ یہ حقیقت انکے مشہور ہدیۂ سلام بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی عیاں ہے۔[۱۳]

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

ایک فتوے میں اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں[۱۴]:

"چاروں مذہب والے (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) حقیقی عینی بھائی ہیں انکی ماں شریعت مطہرہ اور ان کا باپ اسلام"۔

وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بارگاہِ ربوبیت میں ساری امتِ مسلمہ کے لئے بھی دعاگو نظر آتے ہیں:

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں شاہؐ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

امام بریلوی کے قلب کی گہرائیوں سے اٹھنے والی یہ صدائیں اس حقیقت کی عکّاس ہیں کہ انکے یہاں تعصّب، تنگ نظری یا فرقہ بندی کا تصور تک نہ تھا۔ وہ تو ختم الرسل، دانائے سُبل مولائے کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت میں مخمور تھے۔ اور اسی ناطے ساری امتِ مصطفےٰ پر شیدا اور

---

۱۳ حدائق بخشش ص ۱۴ فتاوی افریقہ ص ۶۹

اُن پر لاکھوں سلام بھیجنے کے لئے مضطرب۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ "عدم وجوب تقلید" کی مخالفت درحقیقت ائمہ اربعہ کے مسالک کا دفع تھا۔ چونکہ اسی میں فاضل بریلوی اُمّتِ مسلمہ کی بھلائی جانتے تھے۔

فاضلِ بریلوی کی تصانیف سے جہاں اُنکی علمیت مترشح ہے وہاں انکی ذہانت و فراست، فہم و ذکاوت اور حسّاس طبیعت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں تو صمیمِ قلب سے اس کی تائید و تصدیق بھی کرتے ہیں اور اس کی باریکیوں کو اس طرح منظرِ عام پر لاتے ہیں کہ اس کے محاسن کو مخالف بھی تسلیم کر لیتا ہے۔ اور کم و بیش یہی بات تصویر کے دوسرے رخ پر بھی نظر آتی ہے۔ یعنی جس بات کو وہ ناحق جانتے ہیں اس کی مخالفت میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ اسی لئے وہ ہر مقام پر خیر کو خیر اور شر کو شر کہتے ہوئے نہیں جھجکتے۔

امام بریلوی کا یہی فطری رنگ انکی محبوبِ ربّ المشرقین والمغربین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں بھی نمایاں ہے۔ وہ اس محبت میں اس درجہ محو نظر آتے ہیں کہ انہیں ماسوٰی شانِ ربوبیت کے کسی کا پاس نہیں رہتا۔ وہ شانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی کے مرتکب کو آیتِ قرآنی اِستَغفِر لَهُم اَو لَا تَستَغفِر لَهُم ط اِن تَستَغفِر لَهُم سَبعِینَ مَرَّةً فَلَن یَّغفِرَ اللّٰهُ لَهُم کی روشنی میں پرکھتے ہیں اور جب کسی نتیجہ کو اخذ کر لیتے ہیں تو اس پر قائم رہتے ہیں۔

چونکہ حبِّ رسولؐ میں بہت زیادہ حسّاس نظر آتے ہیں اسی لئے انہوں نے صراطِ مستقیم

کے مذکورہ اقتباس اور اس جیسی دیگر تحریریں رقم کرنے والوں کو معاف نہیں کیا۔ بلکہ جن لوگوں نے انکی حمایت کی انہیں بھی انہوں نے انہی کا ہمنوا قرار دیا اور انکی بھرپور مخالفت کی۔ اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوجاتی ہے کہ فاضلِ بریلوی کی طرف سے یہ مخالفت بھی اصولی تھی۔ کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہ تھی۔ کاش! انکے مخالفین انکے جذبۂ عشقِ رسول کی قدر کرتے اور اُن تصانیف پر نظرِ ثانی کرتے جو بنائے تنازعہ بنیں اور جن سے آج بھی بے ادبی کا رنگ نمایاں ہے۔ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عالیہ تو "بعد از خدا بزرگ توئی" ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا انسان کامل نہیں اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اس وقت تک نکتۂ کمال کو نہیں پہنچتی جب تک کوئی شخص اپنی جان، اپنے بیوی بچوں اور ماں باپ سے زیادہ آپ کے ساتھ محبت نہ رکھے[ع۱۵] پھر یہی کامل محبت اتباعِ رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ بھی ہو جاتی ہے اور بارگاہِ الوہیت میں مقامِ محبوبیت کی ضامن بھی بن جاتی ہے۔

یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حبِّ رسول ہو یا دعوئ توحید۔ شریعت مطہرہ اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی بھی مسلمان حبِّ مصطفٰے میں اس درجہ بڑھ جائے کہ معبود و عبد اور خالق و مخلوق کا

---

ع۱۵ القرآن ۳۳/۶ وحدیث نبوی

فرق باقی نہ رہے یا کوئی مسلمان بزعم وحدت اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ حبِ رسولؐ ہی صراطِ مستقیم ہے اور جسکی منزلِ مقصود ہے قربتِ الٰہی۔ یہاں درست ہوش وحواس بھی درکار ہوتے ہیں اور عقل وفکر اور قلب وبصیرت کا توازن بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ اور یہ باتیں فاضلِ بریلوی کی تصنیفات اور اشعارِ مدحتِ رسولؐ میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایمانِ کامل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں[ع۱۶]:

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر بات میں سچا جاننا، حضور کی حقانیت کو صدق دل سے ماننا ایمان ہے۔ جو اُس کا مقر ہے اسے مسلمان جانیں گے۔ جبکہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ و رسولؐ کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے۔ اور جس کے دل میں اللہ و رسول جَلَّ وعلا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو۔ اللہ و رسول کے محبوبوں سے محبت رکھے۔ اگرچہ اپنے دشمن ہوں۔ اور اللہ و رسول کے مخالفوں بدگوؤں سے عداوت رکھے اگرچہ اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں۔ جو کچھ دے اللہ کے لئے دے۔ جو کچھ روکے اللہ کے لئے روکے۔ اس کا ایمان کامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَن اَحبَّ للہ اَبغضَ لِلّٰہ واعطی لِلّٰہ فقد استکمل الایمان واللہ تعالیٰ اعلم"

---

ع۱۶ احکام شریعت مکمل ص ۱۰۱

مذکورہ بالا تحریر کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے ہر بات قرآن و حدیث کی مظہر ہے۔ اور عقل و فکر اور قلب و بصیرت کا توازن نمایاں ہے۔ نہ کسی مقام پر شرک کا شائبہ نظر آتا ہے اور نہ شانِ الوہیت میں کمی۔ جو شخص ایمان کامل کا اس قدر واضح اور جامع تصور رکھتا ہو کیا اس کے فکری اور عقلی توازن میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔

فاضلِ بریلوی کے یہاں یہ توازن انکی شاعری میں بھی نمایاں ہے، اسلام میں شعر گوئی کی ممانعت نہیں لیکن اس سمت میں بھی قرآن حکیم رہبری و رہنمائی کرتے ہوئے چند شرائط عائد کرتا ہے۔ سورہ الشعراء میں ارشاد ہوتا ہے۔[ع۱۷]

"رہے شعراء تو انکے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ بجز ان لوگوں (شاعروں) کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا۔۔۔"

ان آیاتِ قرآنی سے پتہ چلا کہ اسلام شعر گوئی کی اجازت دیتا ہے لیکن اُس شاعری کو ناپسند کرتا ہے جو حقیقت پسندی پر مبنی نہ ہو۔ اسی لئے ایسے شعرا کی مذمت کی گئی ہے کہ جو ایسی بات کہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ اسلام اس تضاد کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

فنِ شعر گوئی میں حمد باری تعالیٰ اللہ اور نعتِ رسولؐ ایسی اصناف

---

ع۱۷ القرآن ۲۶/۲۲۴ - ۲۲۱

ہیں کہ کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں اپنا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ہاں نعت گوئی میں اس کو محتاط ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف اپنی جگہ لیکن آدابِ شریعت بہر صورت یہاں لازم ہوتے ہیں۔ چوں کہ اس راہ میں ذرا سی بد احتیاطی بندہ کو مقامِ رفعت وعظمت سے قعرِ گمراہی میں گرا دیتی ہے۔ اس کی گستاخی یہ کہہ کر معاف نہیں کی جا سکتی کہ وہ عشقِ رسول ﷺ میں حدود سے متجاوز ہو گیا۔

فاضل بریلوی حبِّ مصطفےٰ ﷺ میں مستغرق ہونے کے باوجود اس راہ میں بھی بڑے محتاط نظر آتے ہیں۔ توازن کا دامن بہر صورت تھامے رہتے ہیں۔ اسی لئے فاضلِ بریلوی نے ایک مقام پر کہا :

"نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے......"[ع ۱۸]

فاضل بریلوی کا یہ قول انکے ایک ایک شعر سے جھلکتا ہے۔ اس ضمن میں انکے یہاں احتیاط کا پہلو کس قدر نمایاں ہے۔ اس رباعی میں ملاحظہ فرمائیے[ع ۱۹]

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بیجا سے ہے اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

---

ع ۱۸ حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۱۶۰
ع ۱۹ کلام حضرت رضا قدس سرہٗ کا تحقیقی اور ادبی جائزہ ص ۳۴ تا ۳۵

جناب شمس بریلوی نے امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے نعتیہ کلام کا بڑی تفصیل کے ساتھ تحقیقی، ادبی اور علمی جائزہ لیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آنکے اشعار کو شرعی کسوٹی پر بھی پرکھا ہے۔ یہ کام انھوں نے جس محنت و مشقت اور علمی ادراک سے انجام دیا ہے۔ انہی کا حصہ ہے۔ لہٰذا میں انہی کا اقتباس پیش کر رہا ہوں[۲۰]

"حضرت رضا قدس سرہٗ کا شجرِ علمی کا اگر اندازہ کرنا ہے تو ایسے اشعار ملاحظہ کیجئے جن میں نعتِ شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن حکیم، ارشاداتِ نبوی اور آثار و اخبار کی تلمیحات ہیں۔ حضرت رضا قدس سرہٗ کے پائگاہ علم کا اندازہ یہیں ہوتا ہے اور شہِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ محبت آپ کے دل میں موجزن ہے اس کا پتہ ان ہی اشعار سے چلتا ہے۔

حضرت رضا قدس سرہٗ کے یہ اشعار جو میں پیش کر رہا ہوں اسی قبیل سے ہیں جنکے درکِ معانی کے لئے ایسے شعور کی ضرورت ہے جو قرآن و حدیث و اخبار و آثار پر گہری نظر رکھتا ہو۔ یہی باعث ہے کہ عوام کے فہم ایسے اشعار کے معانی تک نہیں پہنچتے لیکن شہ والامرتبت سے مسلمان کو جو محبت ہے اس کے طفیل وہ ایسے اشعار کو بھی سُن کر لذت آشنا ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں اہتزاز کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، حدائقِ بخشش میں ایسے اشعار کی بہتات ہے اور جناب رضا قدس سرہٗ کا یہی خاص رنگِ شاعری ہے۔

---

ع۲۰ کلام حضرت رضا قدس سرہٗ کا تحقیقی اور ادبی جائزہ ص ۳۲ تا ۳۵

فرماتے ہیں:۔

لَاَ مْلَئَنَّ جَهَنَّمَ تھا وعدۂ ازلی

نہ منکروں کا عبث بدنصیب ہونا تھا

(قرآن پاک سورہ)

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم

قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

(قرآن پاک سورۃ شمس۔ ضحیٰ پارہ ۳۰)

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا

کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

(القرآن پارہ ۱۵، ۲۳، ۳۰)

قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں

روحِ قدس سے پوچھئے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

(والنجم پارہ ۲۷)

ہر خطِ کف ہے یہاں اے دست بیضائے کلیم

موجزن دریائے نور بے مثالی ہاتھ میں،،

(طٰہٰ پارہ ۱۶)

غنچے ما اوحیٰ کے یوں چٹکے دنیٰ کے باغ میں

بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محروم نہیں۔

(پارہ ۲۷ سورۃ والنجم)

ایسا اُمّی کس لئے منت کشِ اُستاذ ہو
کیا کفایت اسکو اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمْ نہیں
(سورۂ علق پارہ ۳۰)

وصفِ رُخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرحِ والشمس، ضحیٰ کرتے ہیں
اُن کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں
(سورۂ ضحیٰ پارہ ۳۰)

شش جہت سمتِ مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی
(والنجم)

نہ عرش، ایمن نہ اِنّی ذاھب میں میہمانی ہے
قرآن پارہ ۲۳ نہ لطف اُدن یا احمد نصیب لن ترانی ہے
(الحدیث) (القران)

مَنْ زَارَ تُرْبَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ
(الحدیث) اُن پر درود جن سے نوید اس بشر کی ہے
ان پر کتاب اتری بَیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ
(القرآن) تفصیل جس میں مَا عَبَرَ مَا غَبَرَ کی ہے
(الحدیث)

یہ اُن کا بڑھنا تو نام کا تھا حقیقتاً فعل تھا ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا "دنیٰ تدلّٰی" کا سلسلہ تھا
(والنجم)

مژگاں کی صفیں چار ہیں، دوا برو ہیں
"وَالْفَجْر" کے پہلو میں لَيَالٍ "
(والفجر)

سَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى
(والضحیٰ) حق نمود ت جہ پا سدا ریہا
لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق،
(سورۃ القدر) مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
معنی قَدْ رَأىٰ مقصد مَا طَغىٰ
نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
(النجم والحدیث)

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
(حدیث)
ثانیِ اثْنَيْن ہجرت پہ لاکھوں سلام
(القرآن)

اے رُخت را غازۂ تطہیر واذہاب نجس
(القرآن) اے لبت را مایۂ فصل القضا امداد کن
اے بجیات وحریر امین ز شمس و ز مہریر
(سورۃ الدہر) اے ترا فردوس مشتاق لقا امداد کن

یا طلیقَ الوجہ فی یومٍ عبوسٌ قمطریر　　　یا بہیج القلب فی یوم الالاسے امداد کن

(سورۃ الدہر)

اے وَقَاہم رَبّہم امنت زشرٍ مُستَطیرٌ　　　مجرم میجویم از کیفر وقا امداد کن

(سورۃ الدہر)

نیست فضلش بہرِ قومِ بے ادب　　　یَخطَفُ اَبصَارَہُم برق الغضب

(سورہ بقرہ)

بَلْ ھُوَ مَا سْتَعجَلُوْ اَخزٰیٌ عَظیم　　　ارسلت رِیحٌ بِتَعذِیب اَلِیم

(سورۃ القرآن)

قُلْ کَزَرعٍ اخرج الشطاءَ اِلیٰ　　　آزرَفَا سْتَغلَظَ ثُمَّ اسْتَویٰ

(سورہ الفتح)　　　(سورہ الفتح)

یعجب الزُرّاع کالماء المعین
کے یَغیظُ الکَافِرِینَ الظّالمِینْ

(سورہ الفتح)

یہ اقتباس قدرے طویل رہا لیکن فاضلِ بریلوی کے مسلک اور انکے مزاج کو سمجھنے کے لئے یہ حقائق ناگزیر ہیں۔ دوئم یہ باتیں نعت گو شعرار کے لئے بھی دعوتِ فکر ہیں کہ اس راہ میں کسقدر محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔

# دانشورانِ اسلام کی چند آرا

فاضلِ بریلوی کی شاعری ہو یا نثر آپ ہر تحریر کو پڑھ جائیے کہیں بھی اور کسی بھی تصنیف میں کوئی بات خلافِ شریعت نظر نہیں آتی۔ اور نہ کتاب و سنت سے ماورئی۔ ہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اور اولیائے عظام کی عقیدت میں سرشار نظر آتے ہیں۔ لیکن ایسی بے خودی کسی مقام پر نظر نہیں آتی کہ جہاں دامنِ توحید انکے ہاتھ سے جُدا نظر آئے یا وہ حُبِّ رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حدودِ شریعت سے متجاوز ہو جائیں۔ اس ضمن میں چند مقتدر دانشورانِ اسلام کی آرار کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ ان میں سے کسی کا مسلکِ بریلوی سے تعلق نہیں۔

۱۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ جو "علی میاں" کے نام سے بھی معروف ہیں اور جنکی علمی اور دینی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ سعودی عرب کی جانب سے فیصل ایوارڈ جو کئی لاکھ ریال پر مشتمل ہوتا ہے دیا گیا ہے۔ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے امام احمد رضا خاں کی بابت رقم طراز ہیں:[۲۱]

ترجمہ: "فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں کو جو عبور حاصل ہے۔ اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعویٰ پر ان کا

---

[۲۱] نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، الجزء الثامن۔ عبدالحئی لکھنوی۔ ص ۳۹۔ ۱۴۱ بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خاں

مجموعہ فتاوی شاہد ہے۔ نیز انکی تصنیف "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکۂ معظمہ میں لکھی تھی۔"

فاضل بریلوی کے لئے علی میاں مزید رقم طراز ہیں:۔

ترجمہ:۔ "حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کئے تو انکے جوابات بھی تحریر کئے۔ متون فقہ اور اختلافی مسائل پر انکی ہمہ گیر معلومات، سرعتِ تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔"

۲۔ مصر کی قدیم اسلامی درس گاہ جامعہ الازہر کے پروفیسر محی الدین الوائی نے امام احمد رضا خاں صاحب کے لئے تحریر کیا ہے[۲۲]:۔

"شیخ احمد رضا دو مرتبہ حجِ بیت اللہ اور زیارتِ روضہ نبوی کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے دونوں سفروں میں عرب کے اسلامی و علمی مرکزوں کو بھی دیکھا اور وہاں کے علماء سے ملاقات کی، علوم اور مسائل دینیہ میں مشورے بھی کئے۔ حجاز کے مشہور علمائے حدیث کی مخصوص اسانید سے حدیث روایت کرنے کی اجازتیں حاصل کیں اور خود بھی اپنی مخصوص اسناد سے وہاں کے علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔

پرانا مقولہ ہے کہ فردِ واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں تحقیقاتِ علمیہ اور نازک خیالی۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اس تقلیدی نظریہ کے برعکس ثابت کر کے دکھا دیا۔ آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین

---

۲۲ صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۶۔۱۷۔

نازک خیال شاعر بھی تھے۔" (ترجمہ عربی)

۳۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ پروفیسر کلیۃ الشریعۃ جامعہ محمد بن سعود (ریاض یونیورسٹی) کی رائے بابت فاضلِ بریلوی بھی قابل توجہ ہے[ع۲۳]

"میرے ایک دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتوے کا مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب و سنّت و اقوالِ سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتوے کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہہ ہے۔"

۴۔ جماعتِ اسلامی کے بانی سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات بھی امام احمد رضا خاں صاحب کے متعلق پیشِ نظر ہیں[ع۲۴]

"مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور انکی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو اُن سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں کتابیات کو شامل نہیں کیا اور نہ ان کتابوں کے باقاعدہ حوالے دئیے جن سے انہوں نے مدد لی ہوگی بہرکیف یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، نہ ہی اس خیال سے کہی جا رہی ہے

---

ع۲۳ امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں۔ ص ۱۹۴

ع۲۴ مقالاتِ یومِ رضا حصہ دوم ص ۶۶

اصل مدعا یہ ہے کہ تفہیم القرآن پڑھتے ہوئے جہاں انکے ترجمہ میں برصغیر کے دیگر مترجمین کا عکس نظر آتا ہے وہاں متعدد مقامات پر فاضلِ بریلوی کے ترجمہ قرآن کا عکس بھی نمایاں طور پر ملتا ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہی ہے اور ترجمۂ قرآن کے وقت یہ بات قطعی مناسب ہے اور مناسب رہی ہے۔ اس حقیقت سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا مودودی کی مذکورہ رائے سطحی نہیں ہے بلکہ فاضل بریلوی کی تصانیف و تراجم کے مطالعہ پر مبنی ہے۔

## فاضلِ بریلوی کے مسلک سے بدگمانی اور حقیقت

مولانا مودودی نے اپنے مذکورہ اقتباس میں اُن لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو فاضلِ بریلوی سے اختلاف رکھتے ہیں۔ علمی اختلاف بُرا نہیں ہوتا ہے۔ اگر اس میں خلوصِ نیت اور جستجوئے علم کا جذبہ پنہاں ہو تو وہ باعثِ برکت ہوتا ہے چونکہ یہی فرمانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے[۲۵] لیکن علمی اختلاف میں جب معاندانہ جذبہ آجاتا ہے تو وہی اختلاف انتشار کا سبب ہوجاتا ہے۔ بہرکیف اُس اختلاف پر گفتگو مقصود نہیں۔ ہاں اُن اختلافات سے جو بدگمانی کی فضا قائم ہوئی وہ یقیناً قابلِ افسوس ہے۔ چونکہ بدگمانی کے بادل نہ صرف حقیقت کو چھپاتے ہیں بلکہ نفرت اور مغیریت کے سائے دبیز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔[۲۶]

---

ع۲۵ حدیث شریف　　ع۲۶ القرآن ۴۹/۱۲

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ میں مت لگے رہو۔ اور غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اسکو گوارا کریگا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے ضرور تمہیں کراہت آتی ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا۔ بڑا مہربان ہے۔"

اس آیت مبارکہ سے غیبت کی حقیقت واضح ہے۔ حاملانِ شریعت اور عارفانِ حقیقت نے اس راہ میں اسقدر احتیاط برتی ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں بلا ضرورت اُس کا ذکر تک نہیں کیا۔

ہمارے مذہبی حلقوں میں بدگمانی کے سلسلے بڑے گہرے نظر آتے ہیں۔ انکے تخریبی اثرات نے نہ صرف فرقوں، طبقوں اور گروہوں کو جنم دیا ہے، بلکہ نفرت کی مصنوعی دیواریں کھڑی کر دی ہیں جو احیائے عظمتِ اسلامی اور استحکام مملکتِ اسلامیہ پاکستان کے لئے انتہائی مضر ثابت ہو رہی ہیں۔ بہر حال! یہ کام ہر مسلک کے علمائے کبار کا ہے کہ وہ اس امر کا جائزہ لیں کہ ان مصنوعی دیواروں کو مسمار کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو ان کو مسمار کرنے کے لئے ہم کو سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا رہبری و رہنمائی ملتی ہے۔ چونکہ اتباعِ رسول ﷺ حکمِ الٰہی ہے اور اتباعِ رسول ﷺ متقاضی ہے اس امر کی کہ ہم نہ صرف

عبادات بلکہ زندگی کے ہر گوشے میں اور ہر معاملے میں ختم الرسل مولائے کل دانائے سُبل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے رضائے الٰہی کے حصول کی جانب قدم بڑھاتے رہیں۔

بدگمانی کے کثیف بادل فاضلِ بریلوی کے مسلک کے ارد گرد منڈلاتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کی نسبتاً کہیں زیادہ۔ لہٰذا "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا" کے تحت منعقد ہونے والی اس کانفرنس اور اس میں شریک علمائے کرام، مشائخین عظام اور دانشورانِ اسلام کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مقصود پیشِ نظر ہے کہ فاضلِ بریلوی کے حقیقی مسلک کی جستجو کی جائے۔

## ا۔ مسئلہ حیات النبیؐ

فاضلِ بریلوی کے مسلک کی اساس حُبِّ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس عقیدہ پر بھی قائم ہے کہ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قبر انور میں زندہ وجاوید ہیں ان پر کچھ دیر کے لئے موت طاری ہوئی بتقاضائے فطرتِ انسانی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے انکی روح کو واپس انکے جسم اطہر میں لوٹا دیا۔ لہٰذا عام انسانوں کی طرح نہ صرف آپؐ زندہ ہیں بلکہ سُنتے اور دیکھتے بھی ہیں۔ اسی عقیدہ کو حیات النبیؐ کہا جاتا ہے۔

یہ عقیدہ فاضل بریلوی کا اپنا قائم کردہ نہیں۔ زمانہ قدیم سے اہلسنت و جماعت

ہی کا نہیں بلکہ جمیع مسلمین کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ اکابر علمائے کرام اور مشائخ عظام اس پر یقین رکھتے تھے۔ اس کی اسناد قرآن حکیم اور احادیث نبیِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ملتی ہیں۔

سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کی ایک انتہائی دلچسپ حقیقت بیان کی گئی ہے۔ انکے لئے بارگاہِ ربوبیت سے حکم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی نشاندہی کے مطابق سفر کریں تو وہاں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ انہیں ملے گا جس کے ساتھ وہ کچھ دن گذاریں۔ سورۂ کہف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔[۲۷]

"پھر (موسیٰ نے) ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا تھا۔"

حضرت موسیٰ اُس بندۂ الٰہی کے ساتھ کچھ ایام گذارتے ہیں۔ اسی دَوران تین واقعات رُونما ہوتے ہیں۔ اوّلاً وہ بندۂ الٰہی ایک کارآمد کشتی کو ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ گو اُن سے یہ عہد کر چکے تھے کہ اُنکے کسی کام میں مداخلت نہ کریں گے اور اُس وقت تک صبر کا مظاہرہ کریں گے تاوقتیکہ وہ انہیں خود ہی کچھ بتائیں۔ حضرت موسیٰؑ اُس وعدہ کے خلاف عمل کرتے ہوئے اُن سے کہہ بیٹھے کہ آپ نے کیا اس نئے سوراخ کر دیا کہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں۔ اُن بندۂ الٰہی نے اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کو اُنکا وعدہ یاد دِلایا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی بھول کا

---

ع[۲۷] القرآن ۱۸/۶۵

اعتراف کرتے ہوئے آئندہ وعدہ پر قائم رہنے کا اقرار کیا۔ لعدہ دو واقعات اور ہوئے۔ اُس بندۂ الٰہی نے ایک لڑکے کو بلا جواز قتل کر ڈالا اور ایک گاؤں میں ایک شکستہ حال گرتی ہوئی دیوار کو اپنا دست مبارک لگا کر صحیح وسالم کر دیا۔ حالانکہ اُس گاؤں کے رہنے والوں نے انکی میزبانی تک سے انکار کر دیا تھا۔ ان واقعات پر بھی حضرت موسیٰؑ مداخلت کرتے ہیں۔ آخر کار وہ بندۂ الٰہی انہیں اپنے تینوں مذکورہ افعال کی حکمت بتاتے ہوئے رخصت کر دیتے ہیں (تفصیل کے لئے سورۂ کہف کا ترجمہ پڑھیں) مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بعض مفسرین کا قول ہے کہ وہ " بندہ" حضرت یسعؑ تھے۔ بعض کے قول کے مطابق انہیں حضرت الیاسؑ اور بخاری شریف میں انہیں حضرت خضرؑ بتایا گیا ہے۔ بہرکیف اجماع حضرت خضر علیہ السلام پر ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں رہنے والے ایک "بندہ" تھے یعنی غیر نبی۔

حضرت خضر علیہ السلام پر اکابر مفسرین کرام اور علمائے عظام کا اجماع حقیقت کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے اس پورے واقعہ کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو لانبے اس "بندہ" کے پاس تعلیم وتربیت کے لئے بھیجا تھا۔ اسی لئے مذکورہ بالا آیتِ قرآنی میں "بندہ" کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اپنی رحمت دینے اور علم لدنی عطا کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ حقیقت اس امر حق کی طرف اشارہ

کر رہی ہے کہ وہ عام بندوں کی حیثیت سے بالا تھے۔ اس کی وضاحت وہ اپنے مرتکب افعال کی حقیقت بیان کرتے ہوئے خود ہی کر دیتے ہیں کہ انہیں علمِ غیب حاصل تھا اور وہ مامور من اللہ ہو کر اُن افعال کو انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے کشتی میں سوراخ اس لئے کر دیا تھا کہ وہاں ایک بادشاہ آنے والا تھا جو غریب آدمی کی کشتی کو صحیح و سالم پا کر لے جاتا اور غریب محروم ہو جاتا۔۔ نو عمر لڑکے کو اس لئے انہوں نے قتل کر ڈالا کہ اس کے ماں باپ اہلِ ایمان تھے اور وہ بڑا ہو کر ان پر سرکشی کرتا اور کفر کا اثر ڈالتا۔ لہٰذا اللہ نے چاہا کہ وہ اس کے عوض اس کے والدین کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت کرنے میں اُس سے بڑھ کر ہو۔ دیوارِ شکستہ کو اس لئے انہوں نے صحیح و سالم کر دیا کہ وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی جس کے نیچے انکے صالح باپ کا دفینہ تھا اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ لڑکے جوان ہو کر اس دفینہ کو پالیں۔ قرآن حکیم کے بیان کردہ حقائق اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ وہ " بندہ " عام بندوں کی حیثیت کا حامل نہیں تھا۔

دوئم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ تو نبی تھے۔ لہٰذا انکی تعلیم و تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں ایسے ہی بندہ کے پاس بھیج سکتا تھا جو کسی بھی امر میں ان پر فضیلت رکھتا ہو اور وہ فضیلت بعد میں ظاہر بھی ہوئی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بعض باتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر فضیلت حاصل تھی اور بعض میں حضرت خضر کو اُن پر۔ مذکورہ بالا

آیت قرآنی میں مذکور بندہ الٰہی کو صرف بندہ کہنے والے اس حقیقت کو فراموش کر گئے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو نبی، رسول، ولی، صدیق، شہید مومن اور ایک عاصی سب ہی بندہ ہیں۔ لیکن اس کے بندہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے عطا کردہ مقاماتِ بندگی معدوم ہوگئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شب معراج شہادتِ رسالت کے الفاظ ہیں۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ آپؐ کو اوّل بندہ کہا گیا اور پھر رسول۔ دونوں حیثیتوں کا اظہار ہے۔

اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ بندۂ الٰہی اپنی ہیئتِ حقیقت سے بندہ ہی تھے لیکن اپنی حیثیت میں مقامِ نبوّت کے حامل تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا اور اس امر پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ وہ حضرت خضر تھے اور ان کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے صدیوں قبل کا ہے۔ یعنی انکی اس وقت کی زندگی طبعی نہ تھی بلکہ انکی حیات بعد الموت تھی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب کے ساتھ ساتھ انہیں دنیا میں تصرف کا اختیار بھی عطا کر رکھا تھا کہ وہ جہاں چاہیں اپنی جسمانی ہیئت میں آئیں جائیں اور وہ افعالِ دُنیوی انجام دیں جنکے لئے بارگاہ ربوبیت سے حکم ہو۔

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول طبعی موت مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ اس امرِ حق کی وضاحت ہم کو سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرموداتِ عالیہ سے بھی ملتی ہے۔ آپؐ نے شب اسریٰ

حرم کعبہ سے مسجد اقصیٰ کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا[28]

"معراج کی رات موسیٰؑ کی اس قبر پر سے گزرا جو سرخ رنگ کے ٹیلے کے قریب ہے وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے"

صادق المصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزید ارشاد ہے کہ آپؐ جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام و دیگر انبیا کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور بعد میں آپؐ کی امامت میں ان سب نے نماز ادا کی[29]

مسلم میں بہ روایت حضرت ابن عباس یہ حدیث مبارکہ بھی مرقوم ہے[30]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم وادیٔ ارزق سے گزر رہے تھے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں (حضرت) موسیٰؑ کو دیکھ رہا ہوں جو کانوں میں انگلیاں رکھے الثنیہ سے اتر رہے ہیں اور باآواز بلند تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) بھی کہتے جا رہے ہیں۔ بعدہٗ جب آپؐ ثنیتہ سے صرشی پہنچے تو فرمایا میں (حضرت) یونسؑ بن متی کو اونی جبہ پہنے ہوئے سرخ اونٹنی پر سوار آتے دیکھ رہا ہوں ان کی اونٹنی کی مہار درخت کی چھال کی ہے اور وہ بلند آواز میں تلبیہ کہہ رہے ہیں"

امام مسلم بہ روایت حضرت جابرؓ ایک اور حدیثِ مبارکہ بیان کرتے ہیں[31]

---

ع۲۸ مسلم ج ۲۔ ص ۲۶۸
ع۲۹ ایضاً
ع۳۰ صحیح مسلم
ع۳۱ صحیح مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہ السلام مجھے دکھائے گئے۔ حضرت موسیٰ ع قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں کی طرح ہیں۔ حضرت عیسیٰ ع کی شکل کے مشابہ عروہ بن سعود ہیں اور حضرت ابراہیم کا حلیہ مجھ سے مشابہت رکھتا تھا۔"

ان احادیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور دیگر انسانوں کی طرح چلتے پھرتے، سواری کرتے اور بولتے ہیں۔ لیکن وہ انہی کو نظر آتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انہیں دکھانا چاہتا ہے۔ اسی لئے اُن کی آواز کو بھی ہر ایک نہیں سُنتا۔

احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ آپؐ نے اپنی حیات بعد الموت کے متعلق خود بھی نشاندہی فرما دی تھی۔ ع ۳۲

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن درود بکثرت پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو بندہ بھی درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ عرض کیا گیا "کیا حضورؐ کی وفات کے بعد بھی؟" ارشاد ہوا کہ وفات کے بعد بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔" اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ ع ۳۳

---

ع ۳۲ جلاء الافہام ذکر الصلوٰۃ علی خیر الانام از: علامہ ابن قیم الجوزی۔ ترجمہ: مولانا شاکر حسین صدیقی ص ۶۷

ع ۳۳ مشکوٰۃ شریف

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اُسے سُنتا ہوں اور جو غائبانہ درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔"

انبیاء الاذکیا میں یہ روایت حضرت عمار بن یاسر ایک اور فرمانِ رسول ملتا ہے۔[۳۴]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو تمام مخلوق کی آوازیں سُننے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ وہ میری قبرِ انور پر کھڑا ہے تو جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ مجھے پہنچا دیتا ہے۔"

اسی موضوع پر یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے[۳۵]

"کوئی اللہ کا بندہ مجھ پر درود نہیں پڑھے گا کہ ایک فرشتہ اُس کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ (درود) میرے بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبر پہ لے جاؤ تاکہ وہ پڑھنے والے کیلئے دعائے مغفرت کرے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔"

اب آئیے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مقتدر صحابہ کرام کے خیالات سے بھی استفادہ کریں۔

حضرت علی ابن ابوطالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے[۳۶]

---

[۳۴] انباء الاذکیا (علامہ جلال الدین سیوطی) [۳۵] بخاری

[۳۶] الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۲

"حضرت ابابکر نے اپنی وفات کے وقت مجھے لپنے سرہانے بٹھایا اور کہا کہ اے علی! جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے ان ہاتھوں سے غسل دینا جن ہاتھوں سے آپ نے رسولؐ اللہ کو غسل دیا۔ اور پھر مجھے رسول اللہ کے بیت اقدس میں لے جانا اور میرے دفن کی اجازت مانگنا۔ پھر جب تم دیکھو کہ دروازہ کھُل گیا ہے تو مجھے وہاں داخل کر دینا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔۔۔۔"

حضرت علیؓ کا مزید فرمان ہے کہ جب حضرت ابوبکر کو غسل کے بعد کفن دیا جاچکا تو میں سب سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر پہنچا اور عرض کی کہ "یا رسولؐ اللہ ابوبکر یہاں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ دروازہ کھُل گیا۔۔۔۔"

اسی طرح کی تمنا کا اظہار اور تقریباً اسی طرح تکمیل تمنا کا بیان ہم کو حضرت عمرؓ ابن خطاب کے دمِ واپسیں کے وقت اور تدفین سے پہلے ملتا ہے حضرتِ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی تدفین سے قبل جس طرح بے تکلفانہ گھر کے اندر رہتی تھیں اُسی طرح بغیر چادر اوڑھے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر چلی جاتیں محض اس خیال کے پیش نظر کہ وہاں انکے خاوند اور والد ہی تو ہیں۔ لیکن بعد کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں ع۳۷

"پھر جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں تدفین ہو گئی تو میں ان سے حیاء

---

ع۳۷ مسند امام احمد - مستدرک - حاکم

کی وجہ سے کبھی بھی اپنے کپڑوں کو خوب اچھی طرح لپیٹے بغیر داخل نہیں ہوئی"۔

حضرت صدیقہ عائشہ کے اس ارشاد سے نہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ بعد الموت کی تصدیق ہو رہی ہے بلکہ حضرات شیخین کی جانب بھی واضح اشارہ ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ انور کے ارد گرد اور قریب میں دیگر حجرات اور مکانات بھی تھے۔ اگر کوئی شخص قریبی یا متصل دیوار میں کیل ٹھونکتا جس سے شور کی آواز ہوتی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ فوراً آدمی کو بھیج کر کہلواتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی قبر میں ایذا نہ پہنچاؤ۔ ع۳۸

مذکورہ احادیث اور معتبر روایات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ حیات النبیؐ پر تمام صحابہ کرام کا ایمان وایقان تھا اور وہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں ہادیِ برحق رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بعد الموت پر یقین کامل رکھتے تھے۔ اسی لئے اس عقیدہ پر اُمتِ مسلمہ کا ہمیشہ ہی سے اجماع رہا ہے۔

آئیے اب اکابر علمائے کرام کی آرا پر بھی نظر ڈالیں کہ اس مسئلہ پر انکا موقف کیا رہا۔

**۱۔ الامام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ)**

"موت آجانے کے بعد بھی انبیاء صلواۃ اللہ علیہم کی حیات کے شواہد

---

ع۳۸ مواہب اللدنیہ ج ۵ ص ۲۳۷

احادیثِ صحیحہ میں موجود ہیں[ع۳۹]

۲۔ الامام تقی الدین السبکی الشافعی (متوفی ۷۵۶ھ)

"احادیث سے اس بات کی ضمانت ملتی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح آپؐ پر لوٹا دی گئی ہے آپ سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں[ع۴۰]"

۳۔ الشیخ عفیف الدین الیافعی (متوفی ۷۶۸ھ)

"علماء کی نصوص حیات الانبیاء کے باب میں بہت سی ہیں"[ع۴۱]

۴۔ امام ابوعبداللہ القرطبی (متوفی ۶۷۱ھ)

"رزق دیا جانا، خوش و خرم رہنا اور مسرور ہونا اس دنیا میں زندہ رہنے والوں کی صفت ہے۔ لیکن جب یہ زندگی اور صفات شہداء میں موجود ہوتی ہیں تو انبیاء کرام تو اس کے زیادہ حقدار ہیں اور صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کو زمین نہیں کھاتی۔۔۔[ع۴۲]"

۵۔ امام سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ)

"ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں اور ہمارا ایمان ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور آپؐ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپؐ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی۔ اور اسی پر اجماع ہے[ع۴۳]۔"

---

ع۳۹ حیات الانبیاء ص ۱۰

ع۴۰ شفاء السقام ص ۱۷۹ ع۴۱ الحاوی للفتاوی

ع۴۲ انباء الاذکیا ص ۵۳ ع۴۳ القول البدیع ص ۱۶۷

۶۔ الامام الشہودی (متوفی ۹۱۱ھ)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بعد وفات میں کوئی شک ہی نہیں اور اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔"[۴۴]

۷۔ الامام السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی قبر میں زندہ ہونا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے عقیدہ میں یقینی اور قطعی علم سے ثابت ہے[۴۵]۔"

۸۔ امام قسطلانی (متوفی ۹۳۲ھ)

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ قبر انور میں زندہ ہیں اور اس میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور تمام انبیاء کی یہی شان ہے[۴۶]۔"

۹۔ الامام ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ)

"بلاشبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ان سب کی ارواحِ مقدسہ کا عالم علوی اور عالم سفلی سے دنیا کے احوال کے مطابق تعلق قائم ہے[۴۷]۔"

۱۰۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ)

"وحیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی چنانکہ شہداء را است[۴۸]۔"

---

ع۴۴ وفا الوفا ع۴۵ انباء الاذکیا ع۴۶ المواہب اللدنیہ

ع۴۷ شرح الشفاء ع۴۸ اشعۃ اللمعات

۱۱۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) متوفی ۱۱۷۶ھ)

"جب میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور الروضۃ المقدسۃ علیٰ صاحبھا افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت کی تو میں نے صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو ظاہراً وعیاناً نہ صرف عالم ارواح میں بلکہ عالم مثال میں ان آنکھوں سے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بات جو عوام میں مذکور ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں موجود ہوتے ہیں اور لوگوں کی امامت کرتے ہیں وغیر ذالک کہ یہ اسی دقیقہ کی باتیں ہیں۔۔۔ میں نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورتِ کریمہ کو بار بار دیکھا ہے اس کے باوجود کہ میری تمنا تھی کہ آپؐ کو روحانی طور دیکھوں نہ کہ جسمانی طور پر۔۔۔۔ جس وقت بھی میں نے آپؐ کے حضور سلام پیش کیا، آپؐ خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظہور کیا۔ یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ آپؐ رحمۃ اللعٰلمین ہیں۔[۴۹]"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک صدیوں پر محیط زمانے کے اکابر علمائے کرام اور مفسرین عظام کی تصنیفات سے منقول درج بالا اقتباسات اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں کہ اہل سنت وجماعت قرآن وسنت کی روشنی میں اور مقتدر صحابہ کرام کے عقائد کی مطابقت میں مسئلہ حیات النبیؐ کے قائل رہے ہیں۔ ابتدا ہی سے انکا عقیدہ رہا ہے کہ ختم الرسل دانائے سبل مولائے کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فطری موت تھوڑی دیر کے لئے طاری ہوئی۔ بعد میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آپؐ کو حیاتِ جاودانی عطا فرما دی۔

---

ع۴۹۔ فیوض الحرمین ص ۸۳ تا ۱۵

آپؐ اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں۔ آپؐ سنتے ہیں۔ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے۔ آپؐ جس کو چاہتے ہیں اپنا چہرۂ انور دکھا دیتے ہیں۔ آپؐ نماز میں موجود ہوتے ہیں۔ لوگوں کی امامت کرتے ہیں۔ اپنی اُمت کے لوگوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اپنے روضۂ اطہر سے باہر آتے جاتے بھی ہیں۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ مسئلہ حیات النبیؐ پر فاضلِ بریلوی کا کیا کہنا ہے۔ انہوں نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا[ع۵۰]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقتاً ایسے ہی زندہ ہیں جیسی رونق افروزی دنیا کے زمانے میں تھی۔ ان کی موت ایک آن کے لئے تصدیقِ وعدۂ الٰہیہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے واسطے ہوئی۔ پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ بحیاتِ حقیقی جسمانی دنیوی زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، مجالسِ خیر میں تشریف لے جاتے ہیں۔ کھانا پینا سب کچھ دنیا کی طرح بے کسی آلائش کے جاری ہیں۔ کما نطقت بہ الاحادیث والائمۃ القدیمۃ والحدیث واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔"

فاضلِ بریلوی کا یہ فتویٰ انہی خیالات کا ترجمان اور انہی آراء کا عکس ہے جو ابتدا سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک علمائے اہلِ سنت اور مفسرین کرام کی تصنیفات میں جلوہ نما آج بھی ہیں۔ یعنی وہ اپنے ناطے کہ

---

ع۵۰ فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۹۷

ماضی سے استوار رکھتے ہیں جس کا اظہار بھی انہوں نے خود ہی فرما دیا۔

اب آئیے فقہ حنفی کے دوسرے مکتبۂ فکر دیوبند کے اکابر علماء کے خیالات کا بھی جائزہ لیا جائے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اس ضمن میں رقمطراز ہیں۔

"اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء بدستور زندہ ہیں کیونکہ عدم اقتضا وقوعِ فعل وراثت زوالِ حیات کی صورت میں متصور ہی نہیں۔ متصور ہے تو حیات میں متصور ہے....."[۵۱]

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی چشتی اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

"تلخیص مجموعۂ روایات سے علاوہ فضیلت حیات و اکرام و ملائکہ کے برزخ میں آپؐ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمالِ امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ سلام کا سننا نزدیک سے خود دور سے بذریعہ ملائکہ۔ سلام کا جواب دینا۔ یہ تو دائماً ثابت ہیں۔ اور احیاناً بعض خواص امت سے یقظہ میں کلام اور ہدایات فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے....."[۵۲]

ان اقتباسات سے پتہ چلا کہ مسئلہ حیات النبیؐ پر ان حضرات کا موقف بھی تقریباً وہی ہے جو فاضل بریلوی کا۔ اگر دیوبندی مکتبۂ فکر کے کچھ

---

۵۱ آبِ حیات

۵۲ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص ۱۸۳

لوگ ان خیالات سے حد المکر کے حامل ہیں تو وہ خود اپنے ہی مسلک سے منحرف کہے جا سکتے ہیں۔ بہر کیف یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہر ایک کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق ہے۔

مذکورہ حقائق اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ مسئلہ حیات النبی قرآنِ معظم اور احادیثِ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اہلِ سنت وجماعت (حنفی، حنبلی، شافعی اور مالکی) ابتدا ہی سے اس مسئلہ کے قائل اور متفق رہے ہیں۔

# ۲- مسئلہ حاضر و ناظر

یہ مسئلہ یعنی "ختمی مرتب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا بڑا نازک، اہم اور توجہ طلب ہے۔ مسئلہ حیات النبیؐ کے تحت منقول آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ تمام انبیاء علیہم السّلام دنیوی زندگی کے بعد سے نہ صرف زندہ ہیں بلکہ ایک مقام سے دوسرے مقام کو سفر بھی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یونسؑ کی ادائیگی حج سے بابت احادیث میں ذکر ہوا۔ لیکن سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہمارا یہ ایمان وایقان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حیاتِ بعد الموت کے علاوہ یہ مقامِ رفعت وعظمت بھی عطا فرمایا ہے کہ آپؐ اپنی اُمت کے احوال پر حاضر و ناظر بھی ہیں۔

آئیے قرآن وسنّت کی روشنی میں اس مسئلہ کا بھی جائزہ لیں۔

حاضر و ناظر اپنی ذات سے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ اللہ ہی ہے اور یہ بات غیر اللہ کے لیے تسلیم کرنا شرک کا سبب بن جاتی ہے۔ ہاں اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ اپنی صفات میں سے جس قدر جس کو چاہے عطا فرما دے یعنی وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو حاضر و ناظر بنانے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اس پر کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاضلِ بریلوی کے مسلک میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر کہنے سے کیا مراد ہے۔ اور اگر آپؐ کو یہ مقام حاصل ہے تو قرآن اس ضمن میں کیا رہبری و رہنمائی

عطا کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر درج ذیل آیاتِ قرآنی بیان کی گئی ہیں۔

(۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا [۴۳]

"اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امّت معتدل کہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتانے والا" (شاہ عبدالقادر)

"اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب اُمتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ" (امام رضا)

"اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں" (مولانا تھانوی)

"اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امتِ معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا" (مولانا محمود الحسن و مولانا عثمانی)

(۲) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا [۴۴]

"پھر کیا حال ہوگا جب بلاوینگے ہم امت میں سے احوال کہنے والا، اور بلاوینگے محمد کو ان لوگوں پر تجھ کو احوال بتانے والا"۔

(شاہ عبدالقادر)

---

[۴۳] القرآن ۲/۱۴۳ [۴۴] القرآن ۴/۴۱

" تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امّت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں سب پر گواہ ونگہبان بنا کر لائیں" (امام رضا)

" سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کیلئے حاضر لاویں گے" (مولانا تھانوی)

" پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امّت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا"
(مولانا محمود الحسن وعثمانی)

۳۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۵ ع۵

" ہم نے تجھکو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سناتا۔
(شاہ عبدالقادر)

" بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا"۔
(امام رضا)

" ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے" (مولانا تھانوی)

" ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا"
(مولانا محمود الحسن وعثمانی)

۴۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ

ع۵ القرآن ۸/۴۸

اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ[۲۶]

"ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا جیسے بھیجا فرعون پاس رسول"۔ (شاہ عبد القادر)

"بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے"۔ (امام رضا)

"بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا ہے"۔ (مولانا تھانوی)

"ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری طرف کا جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول"۔ (مولانا محمود الحسن و عثمانی)

درج بالا آیاتِ قرآنی کے ساتھ اُنکے تراجم بھی منقول ہیں۔
فاضل بریلوی کے ترجمہ کے علاوہ آپ نے اِن آیات کے تراجم شاہ عبد القادر محدث دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھی ملاحظہ فرمائے۔ الفاظ اور جملوں کی ساخت سے قطع نظر معنیٰ اور مفہوم سب کے یہاں تقریباً یکساں ہیں۔ بہرکیف موضوع گفتگو کے تحت ہم الفاظِ متعلقہ اور اُن کے معنیٰ و مفہوم پر ہی اکتفا کریں گے۔

منقولہ آیات جو سورہ البقر، سورۂ النساء، سورۂ الفتح اور سورہ مدثر کی ہیں اُن میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "شہید"

---

[۲۶] القرآن ۷۳/۱۵

اور" شاہدًا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لیکن ہر مقام پر معنیٰ گواہ کے ہیں۔ یعنی آپؐ کی حیثیت بطور گواہ بیان کی گئی ہے۔ پہلی آیت میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے "شہدا" کا ترجمہ کرتے ہوئے آپؐ کو" بتانے والا" لکھا ہے جبکہ امام احمد رضا، مولانا تھانوی اور مولانا محمود الحسن نے ترجمہ "گواہ" کیا ہے۔ " بتلانے والا" کا مفہوم بھی وہی ہے چونکہ گواہ درحقیقت "بتلانے والا" ہی ہوتا ہے۔ وہ وہی کچھ تو بتاتا ہے جو اسے معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ النساء کی آیت میں" شہیدًا" کا ترجمہ کرتے ہوئے محدث دہلوی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو" احوال بتانے والا" لکھا ہے۔ امام رضا یہاں بھی "گواہ" کا لفظ "نگہبان" کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جبکہ مولانا تھانوی کے یہاں "گواہی دینے والا" کا مفہوم ملتا ہے اور مولانا محمود الحسن نے" احوال بتانے والا" لکھا۔

سورۃ الفتح کی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے شاہ عبدالقادرؒ احوال بتانے والا" امام رضا" حاضر و ناظر"، مولانا تھانویؒ گواہی دینے والا" اور مولانا محمود الحسن" احوال بتانے والا" لکھ رہے ہیں۔

سورۃ مدثر کی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے شاہ محدث دہلوی نے "بتلانے والا" امام رضا نے" حاضر و ناظر، مولانا تھانوی نے گواہی اور مولانا محمود الحسن عثمانی نے "بتلانے والا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

مذکورہ آیات قرآنی کے معنیٰ اور مفہوم سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال و افعال

کے لئے گواہ بنایا ہے تاکہ آپؐ روزِ قیامت بارگاہِ الوہیت میں گواہی دیں۔ اور مذکورہ حضرات آپؐ کی اس حیثیت پر متفق بھی ہیں۔ لیکن سورۃ الفتح اور المدثر کی آیات میں فاضل بریلوی نے "شاہد" کا ترجمہ "حاظر وناظر" کرکے آپؐ کی حیثیت حاضر وناظر بیان کی ہے۔ اور یہی بات وضاحت طلب ہے۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ فاضل بریلوی نے "شاہد" لفظ کا ترجمہ کرتے ہوئے حاضر وناظر کے الفاظ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال کئے ہیں۔ یعنی انکے مسلک کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر وناظر ہوئے بطور شاہد۔ اور آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے اللہ عزوجل نے جو اپنی ذات سے ہر جگہ حاضر وناظر ہے یعنی آپ اسی طرح حاضر وناظر ہوئے جس طرح آپؐ مومنین کیلئے رؤف رحیم ہیں ع۲۷ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات سے روف ورحیم ہے۔ لیکن اس نے آپؐ کو مؤمنین کے لئے رؤف ورحیم بنا دیا ہے۔ لہٰذا جس طرح یہاں شرک کا شائبہ نہیں اسی طرح شاہد کے معنیٰ میں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر کہنے سے بھی شرک کا ارتکاب نہیں ہوتا۔

سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی نے حاضر وناظر کے الفاظ کیوں استعمال کئے۔ یہاں شاہد کا ترجمہ گواہ کیوں نہیں کیا۔ فقہی اعتبار سے وہی شاہد یا گواہ معتبر ہوتا ہے جس کی گواہی عینی شاہد کی طرح ہوتی ہے۔ امام راغب اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ شہادت اور شہود کا مطلب یہ ہے

ع۲۷ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

کہ انسان موقع پر موجود ہو اور مشاہدہ بھی کرے خواہ بصر سے یا بصیرت سے[۴۸]۔ دنیوی قوانین کی رو سے بھی عدالت اسی گواہ کو فضیلت و اہمیت دیتی ہے جو عینی شاہد ہوتا ہے۔ یعنی موقعہ واردات یا معاملات متعلقہ کے وقت حاضر و ناظر رہا ہو۔ مذکورہ بالا آیات قرآنی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مختلف مفسرینِ کرام نے کہا ہے اور جیسا کہ مختلف الخیال مترجمین کے منقولہ بالا تراجم سے بھی عیاں ہے کہ ہادیٔ برحق روزِ قیامت اللہ جل شانہ کے حضور اپنی اُمت کے اعمال کے شاہد ہوں گے۔ اس حیثیت سے کسی کو انکار نہیں۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپؐ کی گواہی شہادت رویہ ہوگی۔ یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھی بھالی یا سُنی سنائی۔ خواہ فرشتوں ہی کے ذریعہ آپؐ تک پہنچی ہو۔ اگر اول الذکر بات کو تسلیم کر لیا جائے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امتِ مسلمہ کے معاملات متعلقہ کے وقت حاضر و ناظر ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ اللہ کے حضور آپؐ کی شہادتِ رویہ ہو۔ اور اگر آخر الذکر بات تسلیم کی جائے کہ آپؐ کی شہادت سُنی سنائی یعنی فرشتوں کے ذریعہ حاصل کردہ ہوگی۔ تو یہ بات ذہن میں سوال بن کر اُبھرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ ہی کو شاہد کیوں کہا فرشتوں کو شاہد کیوں نہ بنایا۔ اُس کو تو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ اس ضمن میں حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے مزید وضاحت ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"میری موت بھی تمہارے لئے سراسر بھلائی اور خیر ہے۔ تمہارے اعمال

---

[۴۸] المفردات فی غرائب القرآن

مجھ پر پیش کئے جایا کریں گے۔ تمہارے اچھے اعمال دیکھ کر اللہ کی حمد کروں گا۔ اور اگر تمہارا کوئی غیر صالح عمل دیکھا تو اللہ تعالے سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کرونگا۔" [ع۷۹]

اس حدیثِ مبارکہ سے پتہ چلا کہ آپؐ کی اُمت کے اعمال اچھے اور بُرے دونوں حکم الٰہی کے مطابق آپؐ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن کو آپؐ اپنی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اب بات سُنی سنائی شہادت کی نہیں رہی۔ بلکہ شاہد کے معنیٰ و مفہوم میں وہ وسعت آگئی جو عامتہ الناس گواہ پر صادق نہیں ہوسکتی یعنی شاہد کے دو معنیٰ ہوئے کہ آپؐ بحیثیت شاہد اپنی امت کے اعمال و افعال کے وقت حاضر و ناظر ہوتے ہیں یا اُمت کے اعمال و افعال بہ حکمتِ الٰہی آپؐ کے سامنے اس طرح پیش کئے جاتے ہیں کہ آپؐ ان کو اپنی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ہر دو صوتوں میں آپؐ کا اعمال و افعال کے ارتکاب کے وقت حاضر و ناظر ہونا بہرکیف ثابت ہے چونکہ شاہد کے یہ معنیٰ قرآن و سنّت کی روشنی میں صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی ہوسکتے ہیں کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ اسی لئے فاضل بریلوی نے سورۂ فتح کی آیت اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاھِدًا وَّ... کا ترجمہ کرتے وقت آپؐ کو گواہ لکھنے کے بجائے حاضر و ناظر لکھنا قرآنی مفہوم کے عین مطابق پایا۔ یہی مفہوم ہم کو شاہ عبد القادر محدث دہلوی اور مولانا محمود الحسن و مولانا شبّیر احمد عثمانی کے یہاں بھی ملتا ہے۔ چونکہ ہر دو نے شاہد کا ترجمہ" احوال بتانے والا" کیا ہے۔ اور احوال بتانے والا وہی معتبر ہوسکتا ہے

ع۷۹ روح المعانی ج ۱۴ ص ۲۱۳

جو شہادتِ رویہ کا حامل ہوگا۔ یعنی جس نے تمام احوال خود دیکھے ہوں گے۔

شافع روزِ جزا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور فرمان بہ روایت حضرت ابو درداءؓ منقول ہے[80]:

"جمعہ کے روز کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ اللہ کے فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو بندہ درود پڑھتا ہے خواہ وہ کسی بھی مقام پر ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپؐ کی وفات کے بعد بھی۔ آپؐ نے فرمایا وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے[81]"۔

اس حدیث مبارکہ سے مزید پتہ چلا کہ آپؐ کی امت کے کچھ اعمال و افعال آپؐ کو پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ کچھ کا آپؐ اپنی نظروں سے مشاہدہ فرماتے ہیں اور کچھ آپؐ سماعت فرماتے ہیں۔ اور آپؐ کا یہ مقام منفرد بارگاہِ الوہیت سے عطا کردہ ہے جہاں سے آپؐ شاہد بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اب آیئے دیکھیں کہ ہمارے سلف صالحین اور اکابرین نے اس ضمن میں کیا فرمایا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّبؓ مقتدر تابعی گزرے ہیں۔ انکا فرمان ہے[82]:

"صبح و شام ہر دن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمالِ امت پیش کیے جاتے ہیں۔ آپؐ اپنے اُمتیوں کو ان کی علامات اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔"

علامہ جلال الدین سیوطی قرآن و احادیثِ نبوی کی روشنی میں رقم طراز ہیں[83]:

---

ع۸۱ طبرانی ع۸۲ مواہب اللدنیہ ص ۲۳۷ ع۸۳ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۵

"ان تمام نقول و احادیث سے یہ بات حاصل ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم اطہر اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ زمین اور ملکوت میں تصرف فرماتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں۔ آپ اپنی اسی ہئیت مبارکہ میں ہیں جس پر آپ وفات سے پہلے تھے ..." علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں[۸۴]

"آپ اور دیگر انبیاء کی ارواح قبض کئے جانے کے بعد انہی اجساد کی طرف لوٹا دی گئیں۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنی اپنی قبور سے نکل کر ملکوت علوی و سفلی میں تصرف کرتے ہیں۔"

الامام ملا علی القاری سے شرح الشفاء میں مرقوم ہے[۸۵]

"بلا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ یہ تمام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی و سفلی سے احوالِ دنیا کی طرح ہے۔"

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں کسطرح تصرف فرماتے ہیں۔ اس کی وضاحت امام العارفین واقف سر الٰہی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کی زبانی سنیئے:

"آنحضرت کو اپنا پشت پناہ اور استاد بنا اور آپ کے دستِ مبارک کو اختیار دے کہ تیرا بناؤ سنگھار کرے اور تجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے۔ آنحضرت ہی لشکرِ ارواح کے حاکم ہیں۔ طالبین کے مربی و سرپرست ہیں اور مطلوبین کے سردار ہیں۔ نیکو کاروں کے امیر ہیں اور ان میں حالات و

---

۸۴ فتاویٰ حدیثیہ ۸۵ شرح الشفاء جلد ۲ ص ۱۴۲

ومقامات کے تقسیم فرمانے والے ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے یہ خدمت آپؐ کے سپرد کر دی اور آپؐ کو سب کا امیر الکل بنا دیا ہے۔ جب لشکر کے لئے بادشاہ کی طرف سے خلعت دیئے جاتے ہیں تو ان کو امیر ہی کے ہاتھ سے تقسیم کرائے جاتے ہیں۔" ع۸۶

ایک دوسرے موقعہ پر حضرت قدس سرّہ العزیز نے ارشاد فرمایا:

"صاحب ایمان و معرفت شخص، پیغمبر کی معیت میں (سنت کے موافق) عمل کر کے ہر وقت حضرت کو خوش کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ اس کے قلب کے لئے اپنے رب کی حضوری میں داخلہ کی اجازت حاصل فرما لیتے ہیں... پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے ساتھ اور اس کو دروازے کے قریب لاتے ہیں۔ وہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری معیت میں ہے کیا۔ اے سفیر! اے رہبر! اے معلّم!!! پس آپؐ عرض کرتے ہیں کہ (بار الٰہی) آپ تو واقف ہی ہیں۔ چھوٹا سا کبوتر ہے جس کو میں نے پرورش کیا اور اس دروازہ کی خدمت کے لئے پسند کیا ہے۔ اس کے بعد آپؐ اس بندۂ مومن کے قلب سے فرماتے ہیں کہ لو اب تم جانو اور تمہارا پروردگار ع۸۷..."

کائنات میں حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرفات کا یہ عارفانہ اظہار جس میں آپؐ کی قرآن میں بیان کردہ حیثیت شاہد کے معنیٰ و مفہوم دنیوی زندگی کی حدوں سے نکل کر پوری کائنات پر پھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

---

ع۸۶ الفتح الربانی ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۳۰۳ ع۸۷ ایضاً ص ۴۹۶

الشیخ السید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت شریعت اور طریقت میں مسلّمہ رہی ہے۔ احناف کے دونوں مکتبہ ہائے فکر (بریلوی اور دیوبندی) نے آپ کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ آپ نسبًا گیلانی، مشربًا چشتی اور مسلکًا حنفی تھے۔ عقیدہ اہلسنت و جماعت کے حامل تھے اور سلف صالحین کے پیرو۔ خاتم النبیین سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الموت پر یقین محکم رکھتے تھے۔ اور آپؐ کو حاضر و ناظر جانتے تھے۔ سنہ ۱۳۰۷ھ میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بحری جہاز میں ایک ہم سفر سے مسئلہ حاضر و ناظر پر گفتگو ہوئی جس کا سلسلہ مکّہ معظمہ کے مدرسہ صولتیہ تک پہنچا۔ ان دنوں مولانا رحمت اللہ مہاجر مکّی مدرسہ صولتیہ کے صدر مدرس تھے۔ انہوں نے ہی یہ مدرسہ نواب صاحب بھوپال کی بیگم صاحبہ صولت النساء کی مدد سے قایم کیا تھا۔ مولانائے محترم کو مولانا امداد اللہ مہاجر مکّی کا پیر بھائی اور رفیق کہا جاتا ہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی حاضر و ناظر کے مسئلہ پر جہاز میں اور بعدہٗ مکہ مکرمہ میں گفتگو مہر منیر میں مرقوم ہے۔ اس کا اقتباس پیش نظر ہے۔[۸۹]

"جہاز میں ایک صاحب درود مستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ اَلْمُسْتَغَاثُ اِلٰی حَضْرَتِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ بار بار آتا ہے۔ یہ درود شریف اکثر بزرگانِ دین اور خصوصًا

ع۸۸ مہر منیر ص ۱۲۱ ع۸۹ مہر منیر ص ۱۱۷

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور اُن کے متوسّلین کے معمولات سے ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ہرگز ناغہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں عجیب وغریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اس کے مؤلّف کے متعلق اِس نواح میں طبع شدہ نسخوں میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن حضرت شیخ الجامعہؒ نے اپنے مسوّدات میں لکھا ہے کہ ۱۳۵۵ھ میں مجھے رجب ہندی کی دوکان واقعہ مدینۂ عالیہ پر اس کا ایک نسخہ مطبوعہ قسطنطنیہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس میں ترتیب دہندہ کا نام سیّد احمد کبیر رفاعیؒ تحریر تھا جو مشاہیر عراق میں سے ہوئے ہیں۔ اور حضرت غوث الاعظمؓ کے ہم عصر اور اُن سے مستفیض تھے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ "البرہان المؤید" کے نام سے موسوم ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے بھانجے مولوی ظفر احمد تھانوی نے کیا ہے اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس پر تقریظ تحریر کی ہے۔ اگر درود مستغاث شریف حضرت احمد رفاعیؒ کی ترتیب ہے تو ندائے غائبانہ کے جواز پر ایک اور بہت بڑے بزرگ کا عمل بھی دلیل بن جاتا ہے۔ جس کی ولایت پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے بہرحال جہاز میں ایک مکرانی عالم نے ندائے غائبانہ پر اعتراض کیا۔ نظام المشائخ دہلی کے مطابق جن وظیفہ خوان حضرت پر اعتراض کیا گیا تھا۔ وہ خواجہ عبدالرحمٰن چھوروی (ہزاروی) تھے۔ انہوں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ جب مکرانی مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے اس کے جواز میں ثبوت مانگا۔ آپ نے فرمایا کہ "حدیث بخاری۔ وہ کہنے لگے حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی تیس برس سے بخاری شریف کا

درس دے رہے ہیں اور ایسی ندائے غائبانہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حاجی صاحب بھی ہماری طرح ہی ایک انسان ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا اُن کے سامنے آپ یہ فقرہ کہہ دیں گے۔ فرمایا ہاں کہہ دوں گا۔

اُن دنوں حاجی رحمت اللہ مہاجر مکیؒ مدرسہ صولتیہ کی صدارت پر متمکن تھے اور یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال تھا۔ کیونکہ اگلے سال ہی یعنی ۱۳۰۹ھ میں آپ کا وصال ہوگیا۔ جہاز میں حضرتؒ کے درود مستغاث شریف پر گفتگو کرنے والے مولوی صاحب مدرسہ صولتیہ کے طالب علم تھے اور وطن سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے مکہ شریف پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے۔ وہ صاحب ملیں تو انہیں لے آیئے گا۔ اُن کے دلائل سنیں گے۔ مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس جناب مولینا محمدؒ غازی جوش میں آگئے۔ اور انہوں نے حضرت کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیئے۔"

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب مکہ پہنچ کر اولاً کسی اور مقام پر مقیم ہوئے بعد میں مدرسہ صولتیہ میں منتقل ہو گئے اور وہیں قیام کیا۔ اسی قیام کے دوران مولانا رحمت اللہ صدر مدرسہ صولتیہ سے ملاقات ہوئی اور مسئلہ حاضر و ناظر پر گفتگو۔ وہ بھی ملاحظہ فرمایئے: ع۹۰

"مدرسہ صولتیہ میں قیام کے دوران ایک روز مولینا رحمت اللہ صاحب نے

---

ع۹۰ مہر منیر ص ۱۱۹

آپ سے ملاقات پر پوچھا کہ جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوئی تھی۔ اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے۔ لبطور معذرت کہا کہ آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ مولینا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے۔ فرمایا میں جائز سمجھتا ہوں۔ مولینا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ "یا رسول اللہ" کی ندا حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ نکیرین مُردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے۔ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ (تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے) ھٰذا موضوع ہے محسوس مُبصر قریب کے لیئے اور الرجل موضوع ہے مذکّر مفرد کے لئے جو بنی آدم سے ہو۔ لہٰذا وہاں قبر میں محسوسِ مبصر قریب مرد کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہوسکیں، غیر وضعی معانی لینا خلافِ اصل ہے۔ اور جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسبِ مضمون حدیث مذکور، ہر جگہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید ہے کہ روئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہوگئے اور فرمایا کہ یہ تو علم لدنی ہے۔ ہم سالہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث درس

میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیئے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور منصف مزاج عالم تھے اس لیے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھ میں آجانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمالیا۔ اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات وملفوظات میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا ایک مفصل مکتوب بھی قابل دید ہے۔ آپ کی کتاب اعلائے کلمۃ اللہ کے آخر میں بھی ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے"۔

مذکورہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلعم سے اس امر حق کی قطعی وضاحت ہوجاتی ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کے اعمال پر گواہ بنایا ہے۔ اور روزِ قیامت آپ کی گواہی شہادت ردیہ ہوگی۔ اسی لئے فاضلِ بریلوی نے قرآن کے حقیقی مفہوم کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ صلعم کو بمعنی شَاهِدٌ حاضر و ناظر لکھا۔

بہر کیف! موضوع کی نزاکت احتیاط کی متقاضی بھی ہے اور اہمیت وضاحت بھی چاہتی ہے۔ تاکہ ہر مسلمان قرآنی مفہوم کے ساتھ حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ رفیع کو سمجھ جائے۔ چونکہ ختمی مرتبت کے مقامِ

رسالت وعبدیت کے حقیقی شعور سے محرومی بندہ کو عرفانِ الٰہی سے بھی دُور رکھتی ہے۔ آپؐ کی ذاتِ والا ہی تو ہمارا وسیلہ ہے۔ آپؐ کی سیرتِ مطہرہ ہی سے ہم کو راہِ حق کا پتہ ملتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں فلاح پانے کے لئے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُن مقاماتِ جلیلہ سے آگہی پائے جو قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں مذکور ہیں۔

## ۳۔ مسئلہ بابت ندائے غائبانہ

یہ مسئلہ در حقیقت مذکورہ مسئلہ سے منسلک ہے۔ جب قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں اس امرِ حق کی وضاحت مل گئی کہ بعد الموت حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے ہادیٔ برحق رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح کو آپؐ کے جسمِ اطہر میں لوٹا دیا اور آپؐ بحکمِ باری تعالیٰ اللہ نہ صرف اپنی قبر میں زندہ ہیں بلکہ کائنات میں تصرف فرماتے ہیں اور اپنی اُمت کے احوال پر حاضر و ناظر بھی ہیں تو آپؐ کے لئے لفظ ندا استعمال کرنا یعنی آپؐ کو یا نبیؐ، یا رسولؐ، یا محمدؐ، یا آپؐ کے کسی اور نام کے ساتھ "یا" لگانا حدودِ شریعت سے متجاوز نہیں ہوتا۔ لیکن ایک مکتبۂ فکر ایسا بھی ہے جو اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ انکے اپنے دلائل ہیں۔ انکے مطابق لفظ ندا یعنی "یا" وغیرہ الفاظ کا استعمال ان لوگوں کے لئے جو اس دارِ فانی سے

جا چکے ہیں شرعی لحاظ سے نہ صرف غلط بلکہ شرک کا سبب ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جو ہر مقام پر موجود ہے۔ لہٰذا لفظ ندا اللہ تعالےٰ کے لئے درست ہے یا زندہ موجود افراد کے لئے۔ اسی لئے انکے نزدیک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "یا نبیؐ" کہنا شرک ہے۔

بہرکیف! اس مسئلہ پر بھی اختلافِ رائے ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ زمانہ قدیم سے لفظ ندا "یا" کا استعمال نہ صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بلکہ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کے لئے بھی مستعمل رہا ہے۔ روزمرہ کی زندگی اور مذہبی محافل ومجالس کے علاوہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا نعرۂ حیدری "یا علیؓ" آج بھی پرچم عزم واستقلال ہے۔ اور میدانِ کارزار میں کام آجانے والوں کو ہم شہید بھی کہتے ہیں۔ اِن حالات میں صورتِ حال انتہائی پیچیدہ اور پریشان کن ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ اختلافِ رائے بہت سی خطرناک بدگمانیوں کا سبب ہو رہا ہے۔

لغوی اور علمی اعتبار سے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ لہٰذا علمی موشگافیوں سے قطع نظر آیئے ہم قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں اس مسئلہ کے حل کی جستجو کریں۔

قرآنِ معظم میں لفظِ ندا "یا" کا استعمال متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ کہیں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ[۵۳] (اے انسانو!) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[۵۴] (اے ایمان والو!) اور کہیں یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ[۵۵] (اے رسولؐ!) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ[۵۶]

---

ع۵۳ القرآن ۲/۱۶۸ ع۵۴ القرآن ع۵۵ ۲۳/۱۱ القرآن ع۵۶ القرآن

(اے نبیؐ!) کہا گیا ہے۔ بہرصورت خلاقِ موجودات اور الٰہ العٰلمین کا خطاب اپنی مخلوق سے ہے۔ اسی طرح قرآنِ معظم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یٰاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ[57] (اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان! تھم جا) بھی ملتا ہے۔ یہاں بھی اللہ عزّ وجلّ اپنی مخلوق سے مخاطب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی زندہ یا مردہ، جامد یا متحرک، حاضر یا غائب کسی بھی مخلوق کو پکارے اس کو ہر چیز پر یقینی قدرت حاصل ہے۔

قرآنِ حکیم فرقانِ مجید میں ہم کو وہ دعائیں بھی ملتی ہیں جو بارگاہِ ربوبیت میں اُس کے بندوں نے پیش کیں یا جو دعائیں قرآنِ معظم کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ کو عطا ہوئیں۔ جنہیں سیّد المرسلین خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ الوہیت میں پیش کیا اور اپنی اُمت کو انکی تلقین فرمائی۔ ان دعاؤں میں سے کسی ایک میں بھی "یا" کا لفظ نہیں۔ اسی طرح ہم کو وہ مسنون دعائیں بھی احادیثِ نبویؐ میں ملتی ہیں جو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقتاً فوقتاً بحضورِ الٰہ العٰلمین پیش کیں۔ اور یہی تمام دعائیں اُمتِ مسلمہ کا ورد اور طریقہ چلی آرہی ہیں۔ ان تمام دعاؤں کی ابتداء رَبَّنَا یا اَللّٰھُمَّ سے ہوتی ہے۔ ان دعاؤں کا ترجمہ کرتے وقت "یا" کا لفظ ہم لگا دیتے ہیں ورنہ اصل متن میں کہیں نہیں ملتا۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویؐ کے ان حقائق پر جب ہم غور کرتے

---

[57] القرآن ۱۱/۴۴

ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ "یا" لفظ ندا ہے جو دُور کے فرد یا چیز کے لئے استعمال ہوا اور اسی بات کو صرف ونحو میں تسلیم کیا گیا ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اور مسنون دعاؤں میں لفظ ندا اس لئے نہیں آیا کہ جس سے مانگا جا رہا ہے یا جس کو پکارا جا رہا ہے وہ تو مانگنے اور پکارنے والے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ۵۸ع ہے۔ لہٰذا پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ندا استعمال کرنا کتاب وسنت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور اسی لئے غیر اللہ کے لئے لفظ ندا کا استعمال شرک کا سبب نہیں ہوتا۔

اب مسئلہ یہ باقی رہا ہے کہ ندا کا لفظ ان لوگوں کے لئے استعمال کرنا شرعاً درست ہے کہ نہیں جو اس دارِ فانی سے جا چکے ہیں۔ اس ضمن میں اوّلاً نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سامنے آتی ہے اس لئے کہ فرزندانِ توحید بوقت صلوٰۃ وسلام آپؐ کو یا نبی اللہ یا رسولؐ اللہ یا خیر خلقؐ اللہ وغیرہ کہہ کر ہی ندا کرتے ہیں۔ جہاں تک آپؐ کی حیاتِ بعد الموت کا سوال ہے تو ہم اس موضوع پر پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور اس بات پر اہلِ سنت وجماعت کے علاوہ دیگر مسلمان بھی عمل پیرا ہیں کہ آپؐ کے روضۂ اطہر پہ آپؐ کی مواجہہ شریف پر کھڑے ہو کر الصّلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا حبیب اللہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ قابلِ غور وہ سلام ہے جو ہر مسلمان

---

۵۸ع القرآن ۵۰/۱۶

بحالتِ نماز بوقت قعدہ اولیٰ و قعدہ ثانی پیش کرتا ہے۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ

(تمام عبادتیں زبانی، بدنی اور مالی اللہ ہی کے لئے ہیں)

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

(سلام ہو آپؐ پر اے نبی اور رحمت اللہ کی اور برکتیں)

اس سلام میں بھی لفظِ ندا اَيُّهَا النَّبِيُّ کے ساتھ سلام عرض ہو رہا ہے۔ نماز میں التحیات کا پڑھنا متفقہ طور پر ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔ ترکِ واجب پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ اسی لئے التحیات کے لئے حکم ہے کہ اگر پہلے قعدہ میں ترک ہو جائے تو دوسرے قعدہ میں سجدہ سہو کر لے لیکن بغیر التحیات کے نماز فسخ ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر مذکورہ سلام جو التحیات کا حصہ ہے اس کے بغیر نماز کی تکمیل بھی نہیں ہوتی۔

التحیات کے الفاظ آیاتِ قرآنی تو نہیں لیکن عطائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور ہیں بہر صورت انکی اہمیت اور قدر و قیمت مسلمانوں کے ہر مکتبہ فکر کے لئے مسلّمہ ہے۔ لہٰذا لفظ ندا آپؐ کے لئے بحالت نماز جب درست ہے تو نماز سے باہر وہ آپؐ کے لئے کیوں درست نہیں ہو سکتا؟ لفظِ ندا "یا" آپؐ کے لئے ہر دَور اور ہر زمانے میں استعمال ہوا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا طریقہ رہا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ع۵۹

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

" عن عائشۃؓ قالت لما مرض ابی اوص ان یوتی بہ الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستاذن لہ ویقال ھذا ابوبکر یدفن عندک یا رسول اللہ"[59]

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد بیمار ہوئے تو وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر لے جانا اور میرے لئے اجازت طلب کرتے ہوئے کہنا یا رسول اللہ یہ ابوبکر ہیں کیا انہیں آپ کے قریب میں دفن کر دیا جائے ۔۔۔۔)

امام سیوطی اس ضمن میں آگے چلکر حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:[60]

" قال فغسل وکفن وکنت اوّل من یادر الی الباب فقلت یا رسول اللہ! ھذا ابوبکر یستاذن قرابت الباب قد فتح ۔۔۔۔"

(حضرت علیؓ نے کہا کہ ابوبکر کو غسل دیا گیا اور کفنایا گیا تو میں سب سے پہلے در اقدس پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ابوبکر حاضر ہیں اور اجازت طلب کر رہے ہیں ۔ میں نے دیکھا کہ دروازہ کھل گیا)

صحابۂ کرام، سلف صالحین، علمائے عاملین اور مشائخ کاملین سے منقول بہت سی روایات میں لفظِ ندا کا بے دریغ استعمال حضور انور

---

ع۵۹ الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱

ع۶۰ الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بتواتر ملتا ہے جو اس امر کی ضمانت ہے کہ ان کا یہ فعل نہ انکی نظر میں اور نہ دوسروں کی نظر میں شرک کا سبب بن کر ابھرا چونکہ انکے اذہان صاف تھے اور نیتوں میں خلوص تھا۔ انہیں اپنے عمل پر اعتماد تھا۔ دوسروں پر تشویش ظاہر کر کے نہ کسی کے عمل کو مشکوک بناتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی مقصود تھی۔

ہادیٔ برحق رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسنون دعاؤں میں ایک وہ بھی دعا ہے جو قبرستان میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ[ع۱۶]

اس دعا میں لفظ ندا جملہ اہلِ قبور کے لئے استعمال ہوا ہے اور بہ تسلسل استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔ قبرستانوں میں صالحین، متقین اور مومنین کے علاوہ بدکار اور عاصی بھی مدفون ہوتے ہیں۔ یہ بھی تو ندائے غائبانہ ہے۔ مدد کے لئے نہیں تو ان کی مغفرت کے لئے تو انہیں لفظ ندا کے ساتھ مخاطب کیا جاتا ہے۔ ان حقائق سے پتہ چلا کہ ندائے غائبانہ شریعت کے منافی نہیں۔ ہاں اگر کوئی فرد کسی مخلوق کو نعوذباللہ خدا کا مرتبہ دے کر پکارے تو وہ یقیناً شرک اور کفر ہوگا۔

---

ع۱۶ ترمذی۔ حصنِ حصین

# ۴۔ مسئلہ بابت مدد مانگنا غیر اللہ سے

ندائے غائبانہ سے متصل یہ معاملہ انتہائی نازک بھی ہے اور اہمیت کا حامل بھی۔ اس مسئلہ سے بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں عام ہیں چونکہ توحید کے علم بردار اللہ تعالیٰ کو اپنے نفع و نقصان کا مالک اور اپنی حیات و ممات پر قادر سمجھتے ہوئے اگر غیر اللہ سے مدد مانگیں تو یہ بات انکے اپنے دعوے کے منافی ہوجاتی ہے۔ اور جب کوئی مسلمان اس ہستی سے مدد مانگے جس کا اس دنیا میں وجود نہیں رہا تو یہ بات اور بھی زیادہ تشویش ناک معلوم ہوتی ہے۔ ہر مسلمان کو اپنا ایمان عزیز ہوتا ہے۔ لہٰذا جس فرد کے قلب میں ذرہ برابر بھی اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ ایسی تمام باتوں سے گریز کرتا ہے۔ جو اس کے ایمان کو مجروح کر ڈالیں۔

بہت سے لوگ عامتہ الناس اہلِ ایمان کی اسی محتاط روش سے فائدہ اٹھا کر توحید کے نام پر اپنے مخالفین کے خلاف بدگمانیوں کے فاصلے قائم کرتے چلے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہر آدمی نہ علم رکھتا ہے اور نہ ہر ایک کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ حقیقت کو پانے کی جستجو کرے۔ اس طرح مسلمانوں کے اندر مصنوعی دیواریں انکی تقسیم کا سبب ہوگئی ہیں۔

لیکن اب وقت کا تقاضا ہے کہ ہم حقیقی اتحاد کی جانب قدم اٹھائیں اور مذہب کے حقیقی مفہوم سے آگہی حاصل کریں۔

اس مسئلہ نے اس درجہ بدگمانیاں قائم کیں ہیں کہ ایک مسلمان

دوسرے مسلمان کو مشرک سمجھتے ہوئے اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان کا تو دینی فریضہ ہے کہ وہ مشرک اور کافر لوگوں میں بھی حکمت کے ساتھ دعوتِ توحید پیش کرے۔ کجا کہ وہ اپنے ہی بھائی سے محض بدگمان ہو کر دوری اختیار کرے۔

بہرکیف آئیے پہلے اس مسئلہ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لیں تاکہ حقیقت ابھر کر سامنے آئے۔

۱۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے[۶۲]

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

ترجمہ: "اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر۔" (شاہ عبدالقادر)

ترجمہ: "اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔" (امام رضا)

"اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔"

(مولانا تھانوی)

۲۔ سورۃ الصف میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔[۶۳]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

---

ع۶۲ القرآن ۵/۲ ع۶۳ القرآن ۶۱/۱۴

عیسیٰ ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللّٰہ قال الحواریون نحن انصار اللّٰہ

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم ہو مددگار اللہ کے جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے یاروں کو، کون ہے کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں؟ بولے یار ہم ہیں مددگار اللہ کے:"

(شاہ عبدالقادر)

ترجمہ: "اے ایمان والو! دینِ خدا کے مددگار رہو جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کوئی ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کریں۔ حواری بولے ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں"۔ (امام رضا)

"اے ایمان والو! تم اللہ (کے دین) کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابنِ مریم نے (اُن) حوارین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ وہ حواری بولے ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں"۔ (مولانا تھانوی)

۳۔ سورۃ محمدؐ میں ارشاد ہو رہا ہے[۶۴]:

یاایھا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم و یثبت اقدامکم

ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا

اور جما دے گا تمہارے پاؤں"۔

(شاہ عبد القادر)

ترجمہ - اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ (امام رضا)

ترجمہ:- اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ (مولانا تھانوی)

(۴) سورہ التحریم میں ارشادِ ربانی ہے[۶۵]

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ

ترجمہ:" تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک ایمان والے اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار"۔

(شاہ عبد القادر)

ترجمہ - تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے فرشتے مدد پر ہیں۔ (امام رضا)

"پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور انکے علاوہ فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں"۔ (مولانا تھانوی)

آیاتِ قرآنی کے آپ نے مختلف حضرات کے تراجم ملاحظہ فرمائے۔
سورہ المائدہ کی آیت میں مؤمنین کو آپس میں نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔

---

ع۶۵ القرآن ۶۶/۴ ع۶۴ القرآن ۴۷/۷

سورۃ الصّف میں ایمان والوں سے مدد کے لئے کہا جا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ غیر اللہ سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف ہو کر انکی مدد کریں۔

سورۃ محمدؐ میں اللہ تعالیٰ اپنی مدد کو بندوں کی مدد کے ساتھ مشروط کر رہا ہے۔

سورۃ التحریم میں اللہ کی مدد کے علاوہ جبریل، صالح مؤمنین اور ملائکہ کی مدد کا ذکر ہوا ہے۔

ان آیات قرآنی سے پتہ چلا کہ مدد تو اللہ ہی کرتا ہے اور اسی کی مدد حقیقی ہے۔ لیکن مدد کا دوسرا مفہوم بھی قرآن سے ملتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیات سے مترشح ہے۔ لہذا غیر اللہ کی مدد کا یہ مفہوم نہ توحید کے منافی ہوا اور نہ شرک کا سبب بنا۔ بلکہ اس پر جتنا غور و فکر کیا جائے اتنا ہی یہ واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔

اب آیئے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ سے مزید رہبری و رہنمائی حاصل کریں۔

بعدِ بعثت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکّی زندگی میں آپؐ کا سفرِ طائف بڑا اہم تھا۔ یہ سفر آپؐ نے تجارت یا ہجرت کی نیت سے نہیں کیا تھا۔ بلکہ مشرکینِ قریش کے ظلم و ستم کے پیشِ نظر آپؐ نے طائف میں آباد بنی ثقیف کے سرداروں کو دعوتِ حق دینے کے لئے کیا تھا کہ وہ اگر ایمان لے آئیں تو انکی مدد آپؐ کے اور مومنین کے تحفظ کا سبب ہو جائے۔ بنی ثقیف کی بدنصیبی کہ انہوں نے بجائے مدد کے آپؐ کے اوپر

اور زیادہ ظلم کیا۔[ع ۶۶]

طائف سے واپسی پر آپؐ مکہ میں داخل ہونے سے قبل حرا پر تشریف لے گئے اور وہاں کے سردار مطعم کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا وہ آپؐ کو اپنی پناہ دینے کے لئے تیار ہے۔ بعدہٗ اُس نے آپؐ کو اپنی پناہ میں لینا منظور کرتے ہوئے حرم کعبہ میں باقاعدہ اس امر کا اعلان کر دیا۔[ع ۶۷]

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہوتے ہوئے اور دعوتِ توحید کے داعیِ عظیم واوّلیں ہونے کے باوجود غیر اللہ سے مدد اور پناہ کے طالب کیوں ہوئے۔ یہی مدد تو آپؐ اللہ سے بھی مانگ سکتے تھے۔ اس کا جواب مذکورہ بالا آیات میں مدد کے دوسرے مفہوم سے اللہ تعالیٰ نے خود واضح کر دیا ہے۔ اور اُن لوگوں کے لئے دعوتِ فکر ہے جو اللہ کی مدد اور غیر اللہ کی مدد میں فرق محسوس نہ کرتے ہوئے ملّتِ اسلامیہ میں انتشار کا سبب ہوئے ہیں یا ہوتے ہیں۔

حصنِ حصین[ع ۶۸] مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے اور بحمد اللہ تمام مسالک اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں مقبول ہے۔ اس میں حدیث مبارکہ منقول ہے کہ جب سواری کا جانور بھٹک جائے یا کسی ایسے مقام پر جہاں کوئی دوسرا انسان نہ ہو اور کوئی ضرورت پیش آئے تو کہے یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیۡنُوۡنِیۡ (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو)

---

ع ۶۶ ابن ہشام۔ طبقات ابن سعد۔ جمال مصطفٰیؐ
ع ۶۷ ابن ہشام۔ بخاری۔ سیرت النبیؐ۔ جمال مصطفٰیؐ
ع ۶۸ حصن حصین۔ ص ۱۰۲

اس حدیثِ مبارکہ کی تصریح مختلف علمائے عظام اور محدثین کی زبانی سُنیے اس کے راقم اور مرتب ہیں مولانا سلیمان پھلواری شریف۔

## ”ملا علی قاری کی تصریح

یہ حدیث بقاعدہ محدثین حسن ہے۔ موضوع وضعیف نہیں۔ شراح نے تشریح بھی کردی ہے۔ ملا علی قاری ”عباد اللہ“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

المراد بھم الملٰئکۃ والمسلمون من الخیل ورجال الغیب المسمّون بالابدال

اس سے مراد فرشتے ہیں اور مسلمان شہسواروں کی جماعت اور وہ غیبی لوگ جن کو ابدال کہتے ہیں۔

شوکانی علیہ الرحمہ تحفۃ الذاکرین میں فرماتے ہیں:

## امام شوکانی کی تصریح

وفی الحدیث دلیلٌ علی جواز الاستعانۃ بمن لا یراھم الانسان من عباد اللہ سبحانہ من الملٰئکۃ وصالح الجن ولیس فی ذلک بأس

اور یہ حدیث دلیل ہے ان بندگان خدا سے مدد مانگنے کے جواز کی جو انسان کو نظر نہیں آتے۔ خواہ وہ فرشتے ہوں یا صالح جن۔ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ عموم لفظ عباد اللہ میں نفوس قدسیہ اور ارواحِ

طیبہ و مقدسہ بھی داخل ہیں اور جس طرح ملائک و رجال الغیب یا صالحین جن وغیرہ "عباد اللہ" سے مراد لئے جاتے ہیں اسی طرح بلکہ ان سے انسب ہیں۔ بزرگان دین اور اولیائے کرام کی ارواحِ طیبہ و مقدس قدسیہ

## شاہ عبد العزیز کی تصریح

کیونکہ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا کی تفسیر میں مفسرین مثل قاضی بیضاوی امام رازی وغیرہا نیز مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی نے نفوس قدسیہ و ارواح طیبہ کو لکھا ہے اور ان کو مدبرات سے فرمایا ہے۔

اور علمائے محققین کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ ارواح خصوصًا بزرگوں کی ارواح مقدسہ جب علائق جسمانی سے پاک ہو جاتی ہیں تو ان کا درک اور ان کی قوت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور وہ مظاہر قدس میں جا کر اور ملائک سے مل جل کر ملکوتی صفت بن جاتی ہیں اور سیر و سیاحت نیز وقت پر بندگانِ خدا کی مدد بھی کرتے ہیں۔

## شاہ ولی اللہ کی تصریح

چنانچہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الٰی مواجعہ فلحق بالملٰئکۃ وصار منھم والھم کالھا مھم ویسعی فیما یسعون وربما یشتغل ھؤلاء باعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ ط

ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے تو مادّی علاقے ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنے اصلی مرکزوں کی طرف لوٹ جاتا ہے اور فرشتوں سے مل کر انھیں جیسا ہو جاتا ہے اس کو فرشتوں ہی کی طرح الہام ہوتا ہے اور انہی جیسی کارگزاریاں کرتا ہے۔ اس قسم کے لوگ اکثر کلمۂ حق کو بلند کرنے اور الٰہی جماعت کی امداد کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

## ابن قیم کی تصریح

اور علامہ ابن قیم جو غیر مقلدین کے بڑے مقتدا و پیشوا ہیں وہ خود بڑے زور و شور سے اس کے قائل ہیں چنانچہ ایک جگہ کتاب الروح صفحہ ۱۶۶ میں فرماتے ہیں:

ولها بعد مفارقة البدن شان آخر وفعل آخر وقد تواترت الرؤيا من اصناف بني آدم على فعل الارواح بعد موتها مالا تقدر على مثله حال اتصالها بالابدان من هزيمة الجيوش الى قوله كم قد رئى النبى صلى الله عليه وسلم ومعه ابوبكر وعمر فى النوم قد هزمت ارواحهم عساكر الكفر والظلم الخ۔

بدن چھوڑنے کے بعد روح کی بات ہی اور ہو جاتی ہے بلکہ کام بھی مختلف مذاق کے آدمیوں سے یہ مشاہدہ بہ تواتر ثابت ہے کہ مرنے کے بعد روحوں نے وہ کام کیے ہیں جو قید بدن میں رہنے کی حالت میں کر ہی نہیں تھیں مثلاً لشکروں کو پسپا کرنا وغیرہ ..... پھر آگے لکھتے ہیں کہ بارہا

حضورؐ اور آپ کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ خواب میں دیکھے گئے جن کی ارواح نے کافروں، ظالموں کے لشکر کو پسپا کر دیا۔

## نتیجہ

پس بے شک "یا عباد اللّٰہ اعینونی" میں عباد سے نفوس قدسیہ اور ارواح مقدسہ بھی مراد ہیں اور اُن سے استعانت و استمداد جائز و درست ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔

اے عزیز! جو سالک عرفانی میدان میں چل رہا ہے اس کا نفس کبھی قابو سے نکل جاتا ہے اس کو عروج سے ہبوط میں ڈالتا ہے۔ ابنساط سے انقباض میں لاتا ہے۔ نور سے ظلمت کی جانب لاتا ہے ؎

نہ نازو چنیں نفس سرکش چناں
کہ عقلش تو اندگرفتن عناں

پھر غریب کیونکر نہ چلا اٹھے:

اغثنی یا رسول اللّٰہ وامددلی یا حبیب اللّٰہ ط

(اے اللہ کے رسول میری فریاد رسی کیجئے اور اے اللہ کے حبیب میری امداد کیجیے۔)

یا ان کے سچے نائبوں کو کیونکر نہ پکارے:

یا شیخ عبد القادر شیئاً للّٰہِ۔

(اے شیخ عبد القادر خدا کے لئے کچھ مجھے بھی عطا ہو۔)

## امام جزری کا بیان

اور جس طرح امام جزری فرماتے ہیں " وقد جرب مراداً یہاں بھی ہزارہا تجربہ ہے اور عرفانی دنیا کا نظام یوں ہی چل رہا ہے۔ پس اس کا انکار بجز علمائے بصیرت اور کیا ہے"۔[۶۹]

یہ اقتباس اُس خط کا ہے جو مولانا سلیمان پھلواری شریف نے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ مولانا کا تعلق بریلوی مسلک سے نہیں تھا اب آئیے اس مسئلہ پر فاضل بریلوی کے خیالات سے استفادہ کریں

غیراللہ سے مدد مانگنے کے مسئلے پر فاضلِ بریلوی نے مختلف مقامات پر وضاحت فرمائی ہے۔ اس کی حقیقت بھی بیان کی ہے اور طریقہ بھی بتایا ہے۔ لہٰذا انکے فتاویٰ سے ایک فتویٰ بمعہ سوال پیشِ نظر ہے۔[۷۰]

"مسئلہ: ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے فحول و مفتیان ذوی العقول اس مسئلہ میں کہ کہنا " یارسول اللہ" " یا ولی اللہ" کا جائز ہے یا نہیں؟ اور مدد چاہنا پیغمبران اور ولی اللہ سے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کو " یا مشکل کشا علی" وقت مصیبت کے کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مع دستخط کے مرحمت فرمائیے تاکہ میں صاف صاف لوگوں کو سمجھا دوں۔ اور عربی آیت و حدیث جہاں آئے اس کا ترجمہ بزبان اردو تحریر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

---

۶۹ شمس المعارف ص ۶۴۶ تا ۶۴۹ (حضرت پھلواری شریف کا تفصیلی ذکر ص پڑھیے)

۷۰ احکام شریعت حصہ اول ص ۱۵ تا ۱۷

**الجواب** : جائز ہے جبکہ انہیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انہیں باذنِ الٰہی والمدبّرات امراسے مانے اور اعتقاد کرے کہ بے حکم خدا ذرّہ نہیں ہل سکتا۔ اور اللہ عزوجل کے دیئے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا۔ ایک حرف نہیں سن سکتا۔ پلک نہیں ہلا سکتا۔ اور بے شک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے۔ اس کے خلاف کا ان پر گمان محض بدگمانی اور حرام ہے اور ایسے سچے اعتقاد کے ساتھ ندا کرنا بلا شبہ جائز ہے۔

جامع ترمذی شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے خود حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو یہ دعا تلقین فرمائی کہ نماز کے بعد یوں کہیں:

یا محمد انی اتوجّہ بك الی ربی فی حاجتی ہذہ لیقضی لی۔ — یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں منہ کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔

اور بعض روایات میں ہے:

لتقضی لی یا رسول اللہ — تاکہ حضور میری یہ حاجت پوری فرمادیں۔

ان نابینا نے بعد نماز یہ دعا کی، فوراً آنکھیں کھل گئیں۔

طبرانی وغیرہ کی حدیث میں ہے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں حضرت عثمان بن حنیف صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا ایک صحابی یا تابعی کو بتائی۔ انہوں نے بعد نماز یوں ہی ندا کی کہ یا رسول اللہ! میں حضورؐ کے وسیلے سے اس حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ ان کی حاجت بھی پوری ہوئی۔ پھر علماء ہمیشہ اسے قضائے حاجات کے لئے لکھتے آئے

نیز حدیث میں ہے:

اذا اراد عونا فلینا داعینونی یاعباد اللہ۔ جب استعانت کرنا اور مدد لینا چاہے تو یوں پکارے میری مدد کرو اے اللہ کے بندو۔

فتاوی خیریہ میں ہے:

قولھم یا شیخ عبد القادر نداء فما الموجب لحرمتہ یا شیخ عبد القادر کہنا ندا ہے۔ اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

فقیر نے اس بارے میں ایک مختصر رسالہ "انوار الانتباہ فی حل ندا، یا رسول اللہ" لکھا۔ وہاں دیکھئے کہ زمانہ رسالت سے ہر قرن وزمانہ کے ائمہ وعلما وصلحا میں وقت مصیبت محبوبانِ خدا کو پکارنا کیسا شائع ذائع رہا ہے۔ وہابیہ کے طور پر معاذ اللہ صحابہ سے آج تک وہ سب بزرگانِ دین مشرک ٹھیرتے ہیں۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالی اعلم

عبدہ المذنب احمد رضا
عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

فاضلِ بریلوی نے اپنے درج بالا فتویٰ میں یہ بات اولاً واضح کردی کہ ماسوی اللہ ہر ایک کو "بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے" مزید براں یہ بھی کہدیا کہ مانگنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ "بے حکم خدا ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزوجل کے دیے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا۔ ایک حرف نہیں سن سکتا۔ پلک نہیں ہلا سکتا" اس کا مطلب قطعی واضح ہے۔ نہ انہیں شرک کا شائبہ ہے اور نہ اللہ تعالی کی خدائی میں دخل کا سوال۔ صرف اللہ کے

حبیب احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اللہ کے برگزیدہ اور محبوب بندوں کا وسیلہ ہی اعانت اور مدد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کیلئے خود ہی ارشاد فرمادیا ہے۔ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً [ع۷۱]

اللہ تعالیٰ جن بندوں سے خوش ہوجائے انکی بارگاہِ ربوبیت میں قربت پر شک وشبہ کرنا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک وشبہ ہوتا ہے۔ جو بندے اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ عزّوجلّ کی خوشنودی پالیتے ہیں وہ اپنے ارادہ واختیار سے نکل جاتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ واختیار سے کرتے ہیں۔ اور اس دنیا سے جانے کے بعد تو انکے ارادہ واختیار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ وسیلہ بھی اللہ کی اجازت سے بنتے ہیں اور سفارش بھی اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں کرسکتا۔ یہی عقیدہ وایمان اور مشرب ومسلک جمیع مسلمین کا رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور انکے پوتے شاہ اسمٰعیل مسئلہ التوسل فی الدعا کو بھی تسلیم کرتے تھے۔[ع۷۲]

جو لوگ غیر اللہ سے مدد مانگنے کا غلط تصور رکھتے ہیں یا کسی غلط فہمی یا بدگمانی میں مبتلا ہیں وہ ان کا اپنا قصور ہے۔ ورنہ جیسا کہ مذکورہ بالا حقائق سے ثابت ہے یہ طریقہ عمل قرآن وسنّت کی اساس پر سلف صالحین سے چلا آرہا ہے اور اہل سنّت وجماعت کا طریقہ رہا ہے۔

---

ع۷۱ القرآن

ع۷۲ موجِ کوثر ص ۶۴

## ۵۔ مسئلہ فاتحہ نیاز و نذر

فاتحہ۔ نیاز و نذر ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یعنی ہر دو میں مقصود
ان لوگوں کے لئے ایصالِ ثواب ہوتا ہے جو اس دار فانی سے انتقال کر چکے
ہیں۔ دینی مراتب یعنی مرنے والے کے تقویٰ و پرہیزگاری کے پیشِ نظر
مذکورہ دو نام عرف عام میں مستعمل ہیں۔ بلکہ ایسی اصطلاح بن گئے ہیں کہ ہر
مسلمان با آسانی سمجھ لیتا ہے۔ فاضلِ بریلوی فاتحہ اور نذر د نیاز کے فرق
اور طریقۂ کار کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔[ع۹۱]

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے
وغیرہ کے ساتھ پہنچاتے ہیں، عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ اس میں سورۃ
فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔

---

ع۹۱ احکامِ شریعت مکمل ص ۱۲۱

اولیائے کرام کو جو الیصال ثواب کرتے ہیں اُسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں"

فاضلِ بریلوی طریقہ کار بتلاتے ہوئے مزید رقمطراز ہیں:

"سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی اور تین بار یا سات بار یا گیارہ بار سورۂ اخلاص اوّل و آخر ۳-۳ یا زائد بار درود شریف پڑھے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کرے کہ "الٰہی! میرے اس پڑھنے سے (اور اگر کھانا کپڑا وغیرہ بھی ہوں تو اُن کا نام بھی شامل کرے کہ اِن چیزوں کے دینے) پر جو ثواب مجھے عطا ہو اُسے میرے عمل کے لائق نہ دے۔ اپنے کرم کے لائق عطا فرما۔ اور اُسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضورِ پُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی بارگاہ میں نذر پہنچا، اور اُنکے آبائے کرام اور مشائخ عظام و اولاد امجاد و مریدین و محبتین اور میرے ماں باپ اور فلاں فلاں اور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روزِ قیامت تک جتنے مسلمان ہو گزرے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہونگے سب کو اللہ تعالیٰ اعلم۔"

مذکورہ طریق کار سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ہر دو میں مقصود الیصال ثواب ہوتا ہے۔ اب یہاں دو سوال ذہن میں ابھرتے ہیں اوّلاً تو یہ کہ فاتحہ اور نیاز و نذر میں دیا گیا کھانا کیا سب لوگوں کے لئے کھانا جائز ہے؟ دوئم یہ کہ کیا الیصالِ ثواب کی سند قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟

عام مسلمین کی موت پر انکے الیصالِ ثواب کے لئے جو مرحوم کے ورثاء کی جانب سے کھانا کھلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق فاضلِ بریلوی سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ع۹۲

ع۹۲ احکام شریعت مکمل ص ۱۵۳

"مُردہ کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہے۔ عام دعوت کے طور پہ جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے۔ کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات۔ واللہ تعالیٰ اعلم"

سویم کے وقت جو چنے پڑھنے کا طریقہ ہے انکی تقسیم سے بابت بھی سوال کیا گیا تو فاضلِ بریلوی نے کہا ع۹۳

"یہ چیزیں (چنے وغیرہ) غنی نہ لے، اور وہ جوان کا منتظر رہتا ہے، ان کے ملنے سے خوش ہوتا ہے، اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے۔ مشرک یا چمار کو ان کا دینا گناہ۔ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دیدے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے۔

نیاز اولیائے کرام طعامِ موت نہیں۔ وہ تبرک ہے فقیر و غنی سب لیں جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو۔ شرعی نذر پھر غیر فقیر کو جائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم"

فاضلِ بریلوی کے فتاویٰ سے پتہ چلا کہ موت کا کھانا اور سویم کے چنے صرف غرباء کے لئے مخصوص ہیں۔ خواہ اقربا ہوں یا اغیار۔ اغنیا خواہ اقربا ہوں یا دوست احباب انکے لئے منع ہے۔ لہٰذا جو لوگ موت کا کھانا عام دعوت کے طور پر کرتے ہیں ان کا عمل فاضلِ بریلوی کے مسلک کے مطابق نہ ہوا۔

فاضلِ بریلوی نے تو سویم کے وقت پڑھے جانے والے چنوں کے متعلق بھی واضح طور پر کہدیا کہ وہ صرف مسلم فقراء کو دیئے جائیں۔

درحقیقت سویم کی فاتحہ کے وقت چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھنے کا طریقہ

---

ع۹۳ احکامِ شریعت مکمل ص ۱۳۱

اُن لوگوں کی سہولت کے لئے ہے جو قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے یا پڑھ نہیں سکتے۔ ایسے افراد اگر خالی بیٹھیں گے تو غیر ضروری باتیں کریں گے۔ دوئم کلمہ طیبہ چونکہ ہر مسلمان پڑھنا جانتا ہے تو اس طرح ہر ایک کی شرکت مرحوم کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے لئے سود مند ہو جاتی ہے اور شرکت کرنے والا بھی مطمئن ہوتا ہے کہ وہ ایصال ثواب میں شریک ہوا۔ چنوں کا استعمال غالباً اس لئے مستعمل ہے کہ یہ سستی اور کار آمد جنس ہے۔ اس کی جگہ کوئی دوسری چیز بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ چونکہ یہاں شرعی طور پر کوئی پابندی نہیں۔

فاضل بریلوی تو شریعت کی اس درجہ سختی سے پابندی کے قائل ہیں کہ وہ روزِ وفات سے چالیسویں تک اعزاء واقرباء کا مرحوم کے گھر قیام کرنے اور پان چھالیوں کا اہتمام وغیرہ جیسی رسومات کو شدید گناہ کہتے ہیں۔ غمی میں تیسرے دن کی دعوت کو بھی جائز نہیں کہتے۔ عورتوں کے چلّا کر رونے پیٹنے کو بھی بناوٹ اور حرام قرار دیتے ہیں۔ انکے نزدیک ایسی تمام رسومات ناجائز ہیں۔ تفصیل کے لئے ان کا جواب بابت مسئلہ نمبر ۴۷ منقول احکام شریعت مکمل ملاحظہ فرمائیں۔ [ع۹۴]

ان رسومات کے کرنے والے یقیناً فاضلِ بریلوی کے مسلک سے تعلق نہیں رکھتے۔ لہٰذا اُن کے افعال کو بریلوی مسلک کا روپ دینا سخت بددیانتی اور لاعلمی ہے۔ ایسے افراد کی اصلاح ہر مسلمان کا فرض ہے۔ برائی کو طعن و تشنیع کے ذریعے نہیں نرمی اور محبت سے دور کرنا ہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

---

ع۹۴ احکامِ شریعت حصہ سوم ص ۲۹۲ تا ۲۹۹

طریقہ ہے۔ اور اسی پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

فاضلِ بریلوی نے اولیاء کرام کی نیاز و نذر کو طعامِ موت نہیں کہا۔ اس کو تبرک کہتے ہوئے فقیر و غنی سب کے لئے کھانا جائز قرار دیا ہے۔ درحقیقت طعامِ موت یا اس ضمن میں دی جانے والی جملہ اشیاء صدقہ ہوتی ہیں۔ جبکہ اولیاء کرام کی یاد میں دی جانے والی نیاز صدقہ نہیں ہوتی۔ نیاز اللہ تعالیٰ کے نام پر اسی کا کلام پڑھ کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس کا ایصالِ ثواب بطور نذر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کو نیاز و نذر کہتے ہیں۔

درحقیقت نذر کے دو مفہوم ہیں۔ نذر کرنا اور نذر ماننا۔ اوّل الذکر نذر بطور ہدیہ برائے اظہارِ محبت اور اس ہستی کی بزرگی کے اقرار میں پیش کی جاتی ہے جس کو نذر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جبکہ نذر ماننے کا اصل مفہوم بطورِ منّت کے ہوتا ہے یعنی کسی نے اپنے مقصود کے حصول کے لئے منّت مانی اور جب منّت پوری ہوگئی تو موعودہ نذر دے دی ورنہ نہیں۔ دونوں میں بڑا باریک فرق ہے لیکن قابلِ تمیز اور صاحبانِ عقل و بصیرت کے لئے قابلِ فہم ہے۔

سید البشر خیر الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعد ہجرت مدینہ منورہ کی زندگی کا ابتدائی دور تنگ دستی کا زمانہ تھا۔ یوں تو سب مہاجرین کی یہی حالت تھی لیکن اصحابِ صُفّہ زیادہ مفلوک الحال تھے۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خوش حال صحابہ کرام اشیائے ضرورت اور سامانِ غذا بطور ہدیہ نذر کیا کرتے تھے۔ لبسا اوقات آپؐ کی خدمت میں صدقات بھی پیش کئے جاتے تھے۔ آپ صدقہ کی کُل اشیاء اصحابِ صفہ کو بھجوا دیتے۔ لیکن بطور ہدیہ نذر کی گئیں

اشیاء یا کھانا آپؐ اہل بیت کے ساتھ بھی تناول فرماتے تھے۔ اور کبھی کبھی اصحاب صفہؓ کے ساتھ بھی شریک طعام ہوتے۔[95] آپؐ کے اس عمل سے نذر کیئے گیئے اور صدقہ کئے گیئے مال کی حیثیت قطعی واضح ہے۔ اس لئے ہر نیاز خواہ بصورت مال یا بشکلِ طعام کلام ربانی پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی جاتی ہے۔ اس کا ایصالِ ثواب بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور نذر پیش کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ شہداء اور اولیاء عظام کے لئے ہے۔ ہر دو کی حیثیت قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ سے مسلمہ ہے۔ اسی لئے نیاز و نذر کا کھانا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کو غنی اور فقیر سب کھاتے ہیں۔ اولیاء اللہ نے اس طرح کے کھانے کو عام کیا جو لنگر کے نام سے بھی معروف ہے۔ لیکن عام مسلمین کی موت پر دیا گیا کھانا صدقہ و خیرات ہے چونکہ اس کا مقصود مرحوم کی روح کو ایصال ثواب پہنچانا یا بخشنا ہے۔ اسی لئے وہ صرف غریبوں محتاجوں اور مسکینوں کا حق ہے۔ اغنیاء کا نہیں۔ اس کو فاتحہ کہتے ہیں۔ جیساکہ فاضلِ بریلوی کے فتویٰ میں مذکور ہے۔

ایصال ثواب ہر دو صورتوں میں مقصود ہوتا ہے۔ لیکن بتقاضائے ادب و احترام ایک بطور نذر پیش کیا جاتا ہے۔ دوسرا بخشا جاتا ہے اہل ادب و صاحبانِ بصیرت اس فرق کو اچھی طرح سمجھتے اور قایم رکھتے ہیں۔

اب آئیے نذر کے دوسرے مفہوم یعنی "نذر ماننے" کی غرض و غایت پر گفتگو کریں۔ سورۃ البقر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے[96]

---

[95] ابن ہشام : سیرۃ النبیؐ ۔ جمال مصطفےٰؐ [96] القرآن ۲/۲۷۰

" اور تم جو کچھ خرچ کرو یا منّت (نذر) مانو اللہ کو اس کی خبر ہے۔
اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

سرورِ دین نبیِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوتِ حق عام کرنے سے قبل مشرکین میں عام رواج تھا کہ وہ اپنے بتوں سے منّت مانتے۔ اور جب انکی منّت پوری ہو جاتی تو وہ اپنی نذر بتوں کے سامنے پیش کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل شرک ہے۔ بتوں سے مانگا بھی جا رہا ہے اور یہ بھی یقین ہے کہ بتوں نے انکی منّت کو پورا کر دیا۔ اس طرح منّت ماننے والا یا تو اللہ تعالےٰ کی قطعی نفی کر کے منکر ہو جاتا ہے یا اللہ تعالےٰ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کر کے مشرک بن جاتا ہے۔ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طریقہ کی ممانعت کی اور اس کو حرام قرار دیا۔ یہی مفہوم مذکورہ بالا آیت قرآنی سے عیاں ہے۔ عامۃ الناس کو یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ اے لوگو! تم اللہ کی راہ میں یا غیر اللہ کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو۔ یا جو کچھ منّت مانتے ہو، گو وہ بات تمہارے دلوں کے اندر ہوتی ہے لیکن اللہ اُس سے واقف ہے وہ تمہاری نیت اور تمہارے خلوص کو اچھی طرح جانتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں وہ منّت جائز ہے جو اللہ تعالیٰ سے مانی جائے۔ فقہا نے منّت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو واجب کر لینا جو واجب نہ تھی۔ لیکن مراد پوری ہونے سے واجب ہو گئی۔ یعنی کسی نے منّت مانی کہ وہ کسی آفت یا بیماری سے محفوظ ہو جائے گا یا اُسے ملازمت مل جائے گی تو وہ دس نوافل پڑھے گا۔ یا تین روزے رکھے گا، یا

پانچ محتاجوں کو کھانا کھلائے گا وغیرہ وغیرہ تو یہ جائز ہے اور اس طرح اُس کی مراد پوری ہونے پر وہ فعل یا عمل اس کے لئے لازم نہ تھا واجب ہو گیا مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے ردالمحتار کے حوالے سے لکھا ہے " نذرِ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لئے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانے کے فقراء کو نذر کے صرف کا محل مقرر کرے۔ مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کردے تو میں فلاں ولی کے آستانے کے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا۔" ع۹۷ اس فتوے سے واضح ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے تھی، کھانا فقراء کو کھلایا گیا۔ جگہ کا انتخاب اللہ کے ولی کی تعظیم اور اس سے نسبت کے تحت کیا گیا۔ ہر بات شریعت کے مطابق ہے۔

یہی بات مولانا شبیر احمد عثمانی نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہی ہے۔

" نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلاں شخص کو دونگا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کوئی مضائقہ نہیں۔" ع۹۸

مذکورہ حقائق کی روشنی میں اللہ کے نام کی نیاز میں کوئی شک اور شبہ نہیں رہتا۔ یہی نیاز و نذر کی اساس ہے۔ اور اسی سے اہل سنت وجماعت میں نیاز و نذر کا طریقہ جائز چلا آرہا ہے۔ اگر کچھ لوگ احکام قرآنی کے مطابق جیسا کہ فاضلِ بریلوی کے مذکورہ فتوے میں ہے نہیں کرتے اور وہ اللہ کے نام

ع۹۷ خزائن العرفان ع۹۸ ترجمہ قرآن

پر نیاز دینے کے علاوہ عمل کرتے ہیں تو یہ اُن کا قصور ہے۔ یا جو لوگ بدگمانی کے طور پر اللہ کے نام کی نیاز کو بھی غلط قرار دیتے ہیں تو یہ انکی لاعلمی کی بناء پر ہوسکتا ہے۔ شریعت مطہرہ کے مطابق عمل نہ کرکے یا صحیح عمل کو غلط کہہ کر لوگ خود ہی گناہ کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ ہر دو کے لئے احتیاط ضروری ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب برادر مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے رسالہ نذور میں تفصیلی گفتگو سے نیاز و نذر کو جائز قرار دیا ہے۔ فاضل بریلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں نذر و نیاز کی وضاحت فرمائی ہے[ع۹۹] (تفصیل کے لئے فتاویٰ افریقہ دیکھئے)

ایصالِ ثواب کا طریقہ احادیث نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام، علمائے عاملین، مشائخ کاملین اور سلف صالحین کا متواتر عمل رہا ہے۔ ایصال ثواب کے معنیٰ ہیں کہ ایک فرد کوئی عمل صالح کرکے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے کہ اُس کے عمل کا اگر کوئی ثواب اس کو بارگاہِ ربوبیت سے عطا ہورہا ہے تو وہ اس کی جانب سے اس کے مرحوم باپ، ماں، استاد یا اُس کے مرشد یا کسی ولی اللہ کو پہنچا دیا جائے۔ اس طریقہ ایصال ثواب میں نہ کوئی بات خلافِ شریعت ہے اور نہ کسی حکم الٰہی کے منافی۔ بندہ عملِ صالحہ انجام دینے کے بعد حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بصد عجز و انکساری عرض کر رہا ہے۔

قرآن تو ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پہ قدرت حاصل ہے۔ ہم کو تو اُس کی قدرت کاملہ اور سخاوت بالذاتیہ سے قوی امید رکھنی چاہیئے کہ وہ

---

ع۹۹ فتاویٰ افریقہ ص ۸۷

عمل صالحہ کرنے والے کو بھی پورا پورا اجر دیتا ہے اور اس کی التجا کو قبول کرتے ہوئے اس کے عمل صالحہ کا ثواب اس کی درخواست کے مطابق اُن لوگوں کی ارواح کو بھی پہنچا دیتا ہے جو دنیا سے رحلت کر چکے ہوتے ہیں۔ ہم بندوں کے عمل کے مطابق اس کے عمل کو گمان نہیں کر سکتے کہ ثواب ایک کو مل گیا تو دوسرے کو کیوں ملے۔ یہ بندوں کا فعل اور عمل ہے۔ وہ قادرِ مطلق تو بے حساب دیتا ہے اور ہر ایک کو دینے پر قادر ہے۔ وہ اپنے بندوں کو انکے نیک عمل پر نوازتا ہے اور انکی درخواست والتجا پر دوسروں کو نوازنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ ایصال ثواب پر یقین نہ رکھنے والے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ہی ایمان نہیں رکھتے۔

ہادیٔ برحق رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ! میری والدہ کو وفات سے قبل کچھ کہنے کا موقعہ نہ ملا۔ اگر ملتا تو وہ وصیت کرتیں۔ کیا میں انکی طرف سے کچھ کروں تو ان کو نفع پہنچے گا؟" سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کنواں بنواؤ اور کہو کہ یہ سعد کی والدہ کا ہے"۔ ع۱۰۰

اس حدیثِ مبارکہ سے ایصال ثواب کی حقیقت بھی واضح ہے اور مرحومہ کے نام سے کنویں کو منسوب کرنے سے بھی ہر طرح کا شک وشبہ دُور ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث شریف میں حج بدل کی سند ملتی ہے اور تمام مسلمان اسی کے مطابق حج بدل ادا کرتے ہیں۔

---

ع۱۰۰ حدیث شریف

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ایک حدیث منقول کی ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اگر عمل اچھا ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں اور صالح نہیں ہوتا تو عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو ہدایت کرنے سے پہلے نہ مارنا جس طرح تو نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے۔[ع۱۰۱]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مُردوں کے متعلق رقم طراز ہیں۔

"الغرض قرآن و حدیث کا دامن ایسے دلائل سے پر ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مُردوں کو دنیا اور اہلِ دنیا کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اس سے وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو احادیث سے ناواقف اور دین کے منکر ہوں[ع۱۰۲]"۔

یہی مسلک اہلِ سنت و جماعت کا رہا ہے اور یہی مسلک فاضلِ بریلوی کا ہے۔ اسی لئے وہ فاتحہ اور نذر و نیاز کو شریعت کے عین مطابق جانتے تھے اس میں خلافِ شریعت کوئی بات نہیں۔

## ۶۔ مسئلہ بابت تعظیم و تکریم اولیاء اللہ

اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم اہل سنّت و جماعت کے یہاں ہمیشہ سے خصوصی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ ائمہ اربعہ کے مقلّدین میں بے شمار اولیائے عظام گزرے ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کی ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی ہستی کو فنا کرکے مخلوق اللہ

---

ع۱۰۱ روح المعانی (علامہ آلوسی) ع۱۰۲ اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۱

کی خدمت کرتے رہے ہیں، تاکہ وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی رضا کو پاجائیں قرآنِ معظم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: [ع۱۰۳]

" سن لو! بے شک اللہ کے دوستوں (ولیوں) پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے۔ انکے لئے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہی تو بڑی کامیابی ہے"۔

اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی نشاندہی کرتے ہوئے انکی دو خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ اوّل یہ کہ "نہ اُنہیں کچھ خوف ہے اور نہ غم" غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ خوف اور غم ہی بندے کو مخلوق سے توقعات اور رغبت کا سبب ہوتے ہیں اور فطری طور پر ہر بندے میں کم و بیش موجود ہیں۔ دوئم یہ کہ مذکورہ آیات میں ایمان لانے اور پرہیزگاری کا ذکر ہے جو ہر مسلمان اور مومن کے لئے لازمی ہیں۔ اس لئے کہ بغیر ایمان لائے کوئی فرد مسلمان کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہوتا اور بغیر پرہیزگاری کے کوئی مسلمان مقامِ مومن نہیں پا سکتا۔ پتہ چلا کہ ایک فرد کو مقامِ ولایت تک پہنچنے کیلئے اوّلاً ایمان لانا اور دوئم پرہیزگاری اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جب وہ ایمان پرہیزگاری میں پختہ ہو جاتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا میں یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہی یقینِ محکم اس کے فطری خوف اور غم کو دور کرتا چلا جاتا ہے۔ جوں جوں وہ خوف و غم سے بے نیاز ہوتا چلا جاتا ہے اسی قدر اُس کو

---

ع۱۰۳ القرآن ۱/ ۶۵ - ۶۳

قربِ الٰہی حاصل ہوتا رہتا ہے۔۔

ان حقائق سے پتہ چلا کہ ولی اللہ کی زندگی کی نہج عام مسلمین اور مومنین سے مختلف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر انکی طاقت کے مطابق ہی بوجھ ڈالتا ہے[ع۱۰۴]۔ لہٰذا اولیاء اللہ کی مذکورہ نہج کو وہی بندے اختیار کر پاتے ہیں جو فطری طور پر مقام ولایت ودیعت کیے گئے ہوں یا انہیں بارگاہِ ربوبیت سے ایسی صلاحیتیں عطا ہوئی ہوں جو اس نہج کو اختیار کرنے میں انکی معاونت کرتی رہیں۔ اسی لئے ولایت وہبی ہونے کے علاوہ کسبی بھی ہوتی ہے۔ ایک بندہ عہد طفولیت ہی سے راہِ ولایت پر گامزن نظر آتا ہے۔ ایک بندہ دنیوی لہو ولعب میں گرفتار اور تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے باوجود یکایک راہِ ولایت اختیار کر لیتا ہے۔

نبوت اور ولایت کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے۔ چونکہ نبی تو اُسوقت بھی نبی تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السّلام سے روزِ اول میثاق لیا۔ سورہ آل عمران میں فرمان باری تعالیٰ ہے[ع۱۰۵]۔

" اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے انکا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے

ع۱۰۴ القرآن ۲/۲۸۶ ع۱۰۵ القرآن ۳/۸۱

ساتھ گواہوں میں ہوں۔"

انبیاء کے برعکس ہر ولی کی روح روزِ اوّل بوقت میثاق جمیع ارواح میں شامل تھی۔ قرآن حکیم میں دو میثاق کا ذکر ہے۔ ایک مذکورہ جو انبیاء سے ہوا اور دوسرا میثاق جمیع انسانیت کی ارواح سے جس کے متعلق سورہ الاعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ع۱۰۶

"اور (اے محبوب) یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے انکی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں سب بولے کیوں نہیں، ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔"

مذکورہ آیاتِ قرآنی سے اس امرِ حق کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے۔ اس کو نبی پر کسی طرح کی فضیلت ممکن نہیں ہوتی۔ دوئم شریعت میں نبی کا منکر کافر قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ولی کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ یہ تو خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختمی مرتبت ہونے کا صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیائے امتِ رسول اللہ کا مرتبہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے مساوی قرار دیا اور اپنے حبیب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وضاحت ع۱۰۷ کرا دی کہ میری امت کے اولیاء کا مرتبہ انبیائے یہود کے مساوی ہوگا۔

مذکورہ بالا حقائق کی بناء پر اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم امتِ مسلمہ میں متفقہ رہی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ اولیاء اللہ ہی

---

ع۱۰۶ القرآن ۷/۱۷۲ ع۱۰۷ حدیث نبوی

تھے جنہوں نے دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ظلمت کدوں میں جاکر حقیقتِ مصطفویؐ کے پرچم بلند کئے اور نورِ احدیت عام کیا۔ جو لوگ اولیاء اللہ کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے یا بارگاہ الوہیت میں انکے مقام قرب پر شک رکھتے ہیں وہ درحقیقت نہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اُس کی حکمت کو جانتے ہیں۔ ایسے حضرات کے متعلق حضرت غوث الورا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے ایک مقام پر فرمایا: ع۱۰۸

"اے منافق! تو کیا جانے کہ اللہ والے کس مزے میں ہیں۔ تو قرآن پڑھتا ہے اور نہیں جانتا کہ کیا پڑھ رہا ہے؟ عمل کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ کیا عمل کر رہا ہے۔ اور باوجود اس کے تو اللہ والوں پر اعتراض کرتا ہے عقلمند بن اور ادب سیکھ اور توبہ کر اور زبان بند کر۔ نہ تجھے اللہ تعالیٰ کی خبر ہے نہ اس کے رسولوں کی خبر ہے نہ اس کے اولیاء کی خبر اور نہ اس کے علم کی خبر جو تیرے اور مخلوق کے متعلق اس کو حاصل ہے"۔

امام العارفین قطب الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اولیاء اللہ کے مقام رفعت وعظمت کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک اور مجلس میں فرمایا: ع۱۰۹

"علم پر عمل رکھنے والے مشائخ کو حقیر نہ سمجھو۔ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیغمبروں اور اُس کے بندوں میں اُن نیکو کاروں سے واقف نہیں ہو جو اس کی معیت میں قایم اور اس کے افعال پر راضی رہنے والے ہیں۔ رسول اللہ

---

ع۱۰۸ الفتح الربانی ص ۳۷۵ ع۱۰۹ الفتح الربانی ص ۲۶۹

صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہ سے حدیثِ قدسی نقل فرمائی ہے کہ قرب کے طلب کرنے والوں نے فرائض ادا کرنے سے زیادہ کسی چیز سے بھی میرا قرب نہیں پایا۔ اور بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ سے میرا مقرب بنتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت و بصارت اور ہاتھ اور پشت پناہ بن جاتا ہوں کہ مجھ ہی سے سُنتا ہے مجھ ہی سے دیکھتا ہے اور مجھ ہی سے تھامتا ہے۔ اپنے جملہ افعال کو حق تعالیٰ ہی سے سمجھنے لگتا اور اس کی وجہ سے اپنی طاقت، اپنے زور اور اپنے نفس اور دوسروں کی طرف نظر کرنے سے باہر نکل آتا ہے۔ اس کے حرکات اور قوت و زور حق تعالیٰ ہی سے ہوتا ہے نہ اپنے نفس سے اور نہ مخلوق سے وہ اپنے نفس اور دنیا و آخرت سب سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور سرتاپا طاعت بن جاتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ مقرب حق بنے۔ اس کی طاعت حق تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتی ہے۔"

اُمتِ مسلمہ میں ایسے بھی افراد ہوتے رہے ہیں۔ جنہوں نے نہ علمائے عاملین کی قدر کی اور نہ مشائخینِ کاملین کے مقام ولایت کو تسلیم کیا۔ ایسے افراد کے لئے حضرت غوث الاعظم نے فرمایا:[۱۱۰]

" متقدمین کی یہ حالت تھی کہ وہ دین اور قلوب کے طبیبوں یعنی اولیاء و صالحین کی تلاش میں شرق و غرب میں گھومتے تھے اور جب ان میں سے کوئی مل جاتا تو اپنے دین کی دوا اُس سے چاہتے۔ اور تمہاری

ع۱۱۰ الفتح الربانی ۲۶۸

آج یہ حالت ہے کہ تمہارے نزدیک سب سے زیادہ بغض کے قابل فقہا اور علماء اور اولیاء ہی ہیں جو ادب اور علم سکھانے والے ہیں۔"

حضرت شیخ قدس سرہ کے اس فرمان سے پتہ چلا کہ صالحین اور اولیاء اللہ پر معترض ہونے والے اُس دَور میں بھی کسی نہ کسی رنگ وروپ میں تھے۔ دراصل یہ اصولِ فطرت ہے۔ نفی کے بعد ہی اثبات کی منزل آتی ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے انکار کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ لیکن انہی کے انکار سے آپؐ کی حیثیتِ رسالت کا چرچہ زیادہ ہوا اور آخر کار منکر مٹ گئے اور آپؐ کی حقیقت کے آگے سب نے سرِ تسلیم خم کر دیئے۔ حضرت شیخ قدس سرۂ العزیز تو اولیاء اللہ کی اس درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے کہ ایک مقام پر آپ نے فرمایا۔ ع۱۱۱

"صاحبو! اہل اللہ کا بچا کھچا کھا لو اور جو کچھ انکے برتنوں میں بچ رہا ہے اس کو پی جاؤ۔"

اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم کا مسنون طریقہ ابتدا ہی سے رائج ہے جس کو بیعت کہتے ہیں۔ اس راہ سے نہ صرف طالب و مطلوب کے رشتہ کی بنا قایم ہوتی ہے بلکہ بندہ اس درس گاہ میں داخل ہو جاتا ہے جہاں آداب بندگی اس کی شخصیت و کردار کی تشکیل و تعمیر کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ بیعت کی سنیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ع۱۱۲

---

ع۱۱۱ الفتح الربانی ص ۳۱۹ ع۱۱۲ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۰

"بیعت سنت ہے واجب نہیں۔ اس واسطے کہ اصحابؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اور اس کے سبب حق تعالیٰ کی نزدیکی چاہی۔" شاہ ولی اللہ بیعت کی غرض بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں ع۱۱۳

"غرض بیعت سے مرید کو امر کرنا ہے مشروعات کا اور روکنا اس کو خلاف شرع سے اور اس کی رہنمائی طرف تسکین باطنی اور دور کرنا بدخوؤں کا اور حاصل کرنا صفاتِ حمیدہ کا۔"

بیعت کی غرض بیان کرنے کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ نے مرشد کی صفاتِ علمی و قلبی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اگر مرشد خود ہی بے علم اور غیر مشروع باتوں اور طریقوں میں ملوث ہوگا تو وہ اپنے مرید کی رہبری و رہنمائی کیا کرے گا۔ اس ضمن میں حضرت غوث الورا شاہِ جیلاں کا ارشاد ہے۔ ع۱۱۴

"اگر تو فلاح چاہتا ہے تو ایسے شیخ کی صحبت اختیار کر جو حق تعالے کے حکم یعنی شریعت اور علم یعنی طریقت کا عالم ہو کہ وہ تجھ کو علم سکھائے اور مؤدب بنائے اور تجھ کو حق تعالیٰ کے راستے سے واقف کرے۔ مرید کو دستگیر اور راہبر کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ ایسے جنگل میں ہے جس میں سانپ بچھو اور طرح طرح کی آفتیں، پیاس اور مہلک درندے ہیں۔ پس راہبر اس کو ان آفتوں سے بچاتا اور اس کو پانی اور پھل دار درختوں کی جگہ بتاتا رہے گا۔ اور جب تنہا بغیر رہبر یعنی مرشد کے ہوگا تو

ع۱۱۳ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۴۲ ع۱۱۴ الفتح الربانی ص ۲۵۳ تا ۲۵۴

درندوں والی زمین میں جا پڑے گا جہاں کثرت سے درندے اور سانپ بچھو اور آفتیں ہونگی"۔

بہرکیف اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم اسی راہِ طریقت سے اہلسنت و جماعت کے درمیان پروان چڑھی ہے۔ اولیاء اللہ کے چاروں بڑے سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ اور اُن سے پھوٹنے والی متعدد شاخوں سے ہر دَور اور ہر زمانے میں شریعت و طریقت کے پرچم بلند رہے ہیں۔ جویائے طریقت نے انہی راہوں سے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی منزلوں کو سر کیا ہے۔

جو یائے طریقت میں بطور اظہارِ تعظیم و تکریم نذر و نیاز کا طریقہ بھی رائج چلا آرہا ہے۔ جسکی شرعی حیثیت پر اس سے پہلے باب میں گفتگو کی جاچکی ہے۔ اسی ضمن میں اولیاء اللہ کے یوم وصال کے موقعوں پر عرس کے انعقاد کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ عرس کی تقریبات دعوتِ عام ہوتی ہیں۔ جن میں ہر کس و ناکس شریک ہوتا ہے۔ اسی لئے بہت سے مقامات پر عرس کے ایام میں نہ صرف میلوں ٹھیلوں کا منظر عام ہوتا ہے۔ بلکہ بعض حضرات اپنی جہالت کی بناء پر اور بعض حضرات مفاد پرستوں کی گرفت میں ہوتے ہوئے ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں کہ جن سے نہ شریعت کا تعلق ہوتا ہے اور نہ طریقت سے واسطہ۔ بلکہ بہت سی باتیں تو اس قسم کی بھی کی جاتی ہیں کہ جن سے صاحبِ عرس ولی اللہ کی تعلیمات کی نفی ہوتی ہے اور اس طرح عرس کی ہیئت بدل کر رہ جاتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب

نہیں کہ ایسی خرافات کے سبب عرس کی افادیت کو فراموش کرتے ہوئے اس کے انعقاد کو غلط قرار دیدیا جائے۔ ہر اچھی چیز کا غلط استعمال ہمارے معاشرہ کی عام ریت ہے۔ اور اسی لئے اصلاح ہر ذی علم پر واجب ہے۔

عرس کی حقیقت کیا ہے، کونسی باتیں جائز ہیں اور اس موقعہ پر نذر و نیاز سے کیا بات مراد ہوتی ہے؟ ان تمام باتوں کا مدلل اور شرعی جواب ہم کو حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان قادری چشتی پھلواروی کے یہاں بڑا واضح ملتا ہے۔

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی[ع۱۱۵] کا زمانہ انیسویں صدی کے آخری نصف سے بیسویں صدی عیسوی کے ربع اوّل سے زیادہ پر محیط رہا ہے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، مولانا سیّد نذیر حسین محدث مونگیری مولانا احمد علی محدث سہارنپوری وغیرہ کے اسمائے گرامی بتلائے گئے ہیں۔ راہِ طریقت میں مولانا شاہ علی حبیب اختر پھلواروی، مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی اور مولانا حاجی امداد اللہ مکیؒ سے آپ نے فیض حاصل کیا۔ آپ کے قومی رفقائے کار میں سر سیّد احمد خاں، جسٹس امیر علی، خواجہ الطاف حسین حالی، محسن الملک، وقار الملک، شبلی نعمانی اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی وغیرہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کو بھی آپ سے ارادت تھی۔ بہر حال مولانا پھلواروی کی شخصیت ملّی اعتبار سے نمایاں رہی ہے۔ مزید برآں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین

---

ع۱۱۵ شمس المعارف ص ۲۶

ہونے کے ناطے اہلِ طریقت میں مخصوص حیثیت کے حامل رہے ہیں۔
وہ اپنے ایک مرید مودی محمد عبد الغفور صاحب بنگلوری کو انکے استفسار پر عرس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں: [ع ۱۱۶]

"عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ! بعد سلام مسنون و دعائے خیر مدعا یہ ہے کہ میں نے مکرر تمہارے خطوط میں عرس کا ذکر کیا ہے، تم گھبراتے ہوگے کہ یہ رسومات لایعنی اور ان کی پابندی چہ معنی دارد۔ عوام کے رسوم کا خواص کو برتنا تعجب خیز معلوم ہوتا ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ میں عرس کے فلسفے سے تمہیں آگاہ کروں۔ اسی سے تم سمجھ جاؤ گے کہ یہ شئے کہاں تک مفید ہے اور کس اعتدال کے پائے پر اس کا قایم رہنا ضروری ہے۔
عزیز من! انسان نہ تو محض تودۂ خاک ہے نہ مجرد روح۔ بلکہ دونوں کے امتزاج سے جو صورت قائم ہے وہ انسان ہے۔ پس فقط جسم کی حفاظت اور اس کی پرورش اور روح کی کیفیات سے بے خبری محض نادانی و غفلت ہے، اور یہ بھی سمجھ لو کہ روح لطیف اور درّاک ہے اور جسم کثیف و بے نور ہے۔ پس روح کا پایہ و مرتبہ و شان جسم سے بہت زیادہ ہے۔ مقتضیات روحانی، جسمانی کیفیات کو لطیف و منوّر کر دیتے ہیں۔ بالخصوص وہ انسان جو ریاضات و مجاہدات کے ذریعے سے (اولیاء) یا فطری قوت کی عطا سے (انبیاء) اپنی روحِ لطیف کو الطف بناتا ہے اور نُورٌ علیٰ نُورٍ کی کیفیت پیدا کرتا ہے، اس کے تمام قوائے جسمانی اور اس کے زیر اثر

---

ع ۱۱۶ شمس المعارف ص ۲۳۳ تا ۲۳۸

اور محکوم ہوجاتے ہیں اسی لیئے وہ گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتا ہے۔
یہ مقدس ذوات اولیائے کرام اور انبیائے ذی احترام کی ہوتی ہیں وہ محفوظ ہوتے ہیں یہ معصوم ہوتے ہیں۔ خدا نے ان کو ایسی فطری قوت عطا فرمائی ہے کہ یہ کوئی ایسا کام کر ہی نہیں سکتے جس سے روح کی لطافت میں کثافت پیدا ہو۔ انبیاء اور ان کے طفیل سے اولیا جو کچھ عالم میں کرتے ہیں اور جو تصرفات ان سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اپنی پُر زور روحانی طاقت سے کرتے ہیں جس کو مافوق طاقتِ بشری سمجھنا چاہیئے۔
وہ بشری طاقت نہیں بلکہ ملکی طاقت بلکہ الٰہی طاقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال پڑھو۔ حضرت عمرؓ جیسے سخت مخالف کے سینے پر ہاتھ مارا اور اسلام کا جوش ایسا ابلا کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے پر مجبور ہو گئے اسلام کو مٹانے آئے تھے اور اسلام کے خلیفہ ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کو سینہ سے لگایا اور اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ کہا، وہ کتاب کے بحر ذخار ہو گئے۔ ابو ہریرہ کے دامن میں کیا جانے کیا دے دیا کہ وہ حدیث کے لئے قوی الحافظہ ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ بہتیرے واقعات ہیں جو انسانی طاقت سے بالکل باہر ہیں۔ بدر کے واقعہ پر غور کرو ایک دلیر و شجاع قوم کی جماعت کثیرہ کے مقابلے میں تین سو تیرہ بے سر و سامان اشخاص کا مقابلہ کرنا اور پھر عالی شان کامیابی پانا کیا یہ انسانی طاقت ہے؟ ہرگز نہیں۔ علی و حمزہ و عبیدہ کے بازوؤں میں اس دن انسانی طاقت سے بالا کوئی اور طاقت تھی جسے طاقت الٰہی کہتے ہیں۔ رسولؐ نے اپنے

بہادروں کو "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" کا مراقبہ بتایا تھا۔ جس سے ان کی بشری طاقت فنا ہوکر فقط الٰہی طاقت ان میں آگئی تھی۔ ہزاروں دلوں پر قابو پانا ایک تھوڑی مدت میں بلا کسی ظاہری سبب کے، جو انبیاء و اولیاء سے ہوتا ہے یہ سب فوق طاقت بشری، الٰہی طاقت ہے۔ الغرض وہی الٰہی طاقت ہر سلسلے کے افراد کاملین میں پرواز کرتی ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ بلکہ دونوں کے باہمی تعلق کو فنا ہے جس کو موت کہتے ہیں "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اور کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ" مگر روح مجرد کو حقیقت میں فنا نہیں ہے بلکہ وہ جسمانی تعلقات سے علیحدہ ہوکر لطیف سے الطف ہوکر بہت ہی فیاض ہوجاتی ہے اور اپنے مستفیضین و مستفیدین سے یوں کہہ اٹھتی ہے۔

ع من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

پس وہ لوگ جو روحانیت کے طالب ہیں ادھر متوجہ ہوجاتے ہیں۔ مگر بلا مناسبت قویہ یہ استفادہ مشکل در مشکل ہے۔ اس لیۓ مرشدوں کے انتقال کے بعد ایک دن مقرر کیا گیا۔ بالخصوص انکے وصال کا دن، جس دن انہوں نے جسمانی تعلق کو خیرباد کہا اور محبوب حقیقی سے جا ملے جس طرح دنیا میں محب و محبوب (زن و شو) کے یکجائی اجتماع کو "عرس" کہتے ہیں ادنیٰ مناسبت سے وہ دن بھی عرس کہلایا۔ تمام مستفیدین و مستفیضین

جمع ہو کر اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں۔ پھر صدقات وخیرات وتلاوت قرآن پاک سے ان کو ہدیتہً فائدہ پہنچاتے ہیں۔ پھر اپنے فائدہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جس کو جیسی صلاحیت ہوتی ہے کامیاب ہوتا ہے اور اور اس اجتماعی قوت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ متبدی پر منتہی کا عکس اور مختلف رنگ وفیوض یک جا ہو جانے سے اس کو بھی جلد جلد ترقی ہونے لگتی ہے۔

## سماع بموقعۂ عرس

بالخصوص ہمارے حضرات چشتیہ کے یہاں اس موقعہ پر سماع سے بھی کام لیا جاتا ہے اور بہت مفید ثابت ہوتا ہے نہ اس وجہ سے کہ سماع بذاتہ اس راہ میں کوئی مفید شے ہے۔ نہیں نہیں بلکہ وہ آلۂ افادہ و افاضہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ سرکے اور اسپرٹ میں فی نفسہ تغذیہ اور خون پیدا کرنے کی قوت نہیں مگر ان چیزوں سے اشیائے غذائی ودوائی جلد نفوذ پاکر اپنا کام کرتے ہیں۔ تم نے بارہا دیکھا ہوگا کہ شدید درد سر وسرسام وغیرہ میں روغنِ گل سرکے کے ساتھ ملا کر دماغ پر رکھا جاتا ہے۔ مقصود سرکہ نہیں ہوتا ہے مقصود روغن گل سے ترطیب دماغ ہے لیکن وہ سرکے کی آمیزش سے جلد نفوذ کرتا ہے۔

پس ایسا ہی سمجھو، وہ روحانی انوار یہاں سماع کے ذریعے سے دل مستفیض پر جلد قابض ہو جاتے ہیں۔ اے عزیز! بات کہاں سے کہاں

پہنچی۔ بس یہی مختصر فلاسفی عرس کی ہے۔ اب رہے عوام الناس کے افعال اور پوجا پاٹ، راگ رنگ اور گانا بجانا، میلے ٹھیلے اور فواحش تو معاذ اللہ ان سیہ کاریوں کو عرس سے کوئی علاقہ نہیں۔ یہ اندھے ہیں اس کوچے سے ناواقفِ محض۔ علماء ان کو راہ راست پر لائیں۔ یہ ان کا فرض منصبی ہے۔

## تاریخ عرس

اب رہا مسئلہ تاریخ عرس کہ کس زمانے سے اس کی ابتدا ہوئی تو میں اس کو یقین کے ساتھ نہیں بتلا سکتا۔ ایک ملفوظ میں دیکھا ہے کہ حضرت جنید نے اس کی ابتدا کی مگر میرے پاس اس کی کوئی سند محقق نہیں۔ اور مختلف اقوال بے سند دیکھے ہیں۔ مگر میں ان پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ حضرت سیّدی غوث الثقلین اور شیخ الشیوخ وغیرہما کی کتب و مناقب میں کہیں عرس کا ذکر نہیں پاتا ہوں۔ نہ قدما کی کتب میں اس کا نشان ہے۔ ہاں وسط ایشیا اور ہندوستان میں جس زمانے سے اولیائے کرام جلوہ افروز ہوئے، یہ تقریب بھی اکثر بزرگوں کے یہاں مختصر اور سادگی کے پیمانے پر ہوتی تھی اور کہیں بڑے پیمانے پر بھی ہوا کرتی۔ قادریہ نقشبندیہ، چشتیہ سب کے یہاں۔

## شاہ عبد العزیز محدث کا تکلف بیجا

جناب مولانا شاہ عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ نے کمال کیا کہ اس عرس کی

سنّیت اور زمانۂ نبوّت سے اس کا اجرا ثابت کرنا چاہا۔ مگر اے عزیز! یہ سب تکلّفِ محض اور کھینچ تان ہے۔ جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ عرس استفاضے کے لئے ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک سے مستفیض ہوتے وہ تو خود تمام روحوں کو پاک کرتے تھے۔ ان کو کسی کے عرس کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔ علیٰ ہٰذا القیاس صحابۂ کبار اور خلفائے راشدین سب محمدی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کو اس قدر اشراق نورانی فیضانِ نبویہ سے حاصل ہو چکا تھا کہ اب ان کو عرس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اہدائے ثواب کے لئے وہ ہر دم درود و سلام میں تھے۔ ان کے دلوں میں محمدی نور کی وہ تابانی تھی کہ بات بات میں کہہ اٹھتے تھے۔

کانی انظر الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

گویا کہ میں حضورؐ کے چہرے کو دیکھ رہا ہوں

دل ما با دلِ احمد تعلق ہر زماں دارد

ظہور رشتۂ نورِ فیوضِ جاوداں دارد

پھر ان کو تکلفاتِ عرس کی کیا ضرورت تھی۔

## عُرس بدعت نہیں

اب رہا مولویوں کا حملہ، کہ یہ عرس بدعت ہے، محض ان کی غلط فہمی ہے۔ ضروریاتِ زمانہ سے جو چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور وہ محض بطور آلۂ علوم الٰہیہ ہیں وہ بدعت قرار دی جائیں تو نظام شرع ہی درہم برہم ہو جائے۔

تمام صرف ونحو بلاغت ومعانی واصول فقہ وتفسیر وحدیث سبھی معاذاللہ بدعت ہوجائے۔ ہندوستان کے کم فہم وحقیر النظر علماء کے سوا آج تک بدعت اسے کسی نے نہیں کہا۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ شیخ عبدالحق اور امام عبدالوہاب شعرانی وغیرہم اور ائمہ دین سبھی عرس کے استحسان کو نقل کرتے آئے ہیں۔ ہم ان منکرین کی آواز اور وہ بھی پست آواز کو بالکل غیر مفید بلکہ "انکرالاصوات" (ناپسندیدہ ترین آواز) سمجھتے ہیں اور وہابی وبدعتی کے جھگڑے سے خدا نے ہمارے دامن کو پاک رکھا ہے۔

ع چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

آج میرے حضرت قبلہ پیر ومرشد مصباح الطالبین شیخ الاسلام والمسلمین مولانا شاہ محمد علی حبیب قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب ہے اور عنقریب عرس یازدہم یعنی عرس حضرت غوث الثقلین سیدی ومولائی الشیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہٗ ہوگا۔ تمہیں بھی چاہیئے کہ گیارہویں تاریخ ایصال ثواب کے لئے طعام داری کرد۔ اور ایک قرآن ختم وختم دلائل کرکے اہدائے روح پرفتوح کرد۔ اور اس دن رات کو بھی ادھر ہی متوجہ رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ فیوض بے شمار آئیں گے۔"

یہ اقتباس بھی خاصا طویل رہا لیکن یہاں ایک ایسی شخصیت کی رائے اور علمیت سے استفادہ حاصل ہوا جس کا مسلک بریلوی سے تعلق نہیں رہا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ اُنکے اساتذہ اور مشائخین میں ان حضرات کے اسمائے گرامی آئے جو دیوبند، ندوہ، فرنگی محل اور دیگر

مکتبہ ہائے فکر کے لئے ہر لحاظ سے قابلِ قدر و منزلت رہے ہیں۔ آپ نے عرس کے انعقاد کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کا پورا فلسفہ بیان کر دیا ہے۔ جو لوگ عرس کو بدعت کہتے ہیں ان کو کم فہم اور "حقیر النظر" کہتے ہوئے اُن کی مذمت کی ہے۔ آپ نے اشارۃً گیارہویں شریف کی افادیت، اہمیت بھی بیان کی ہے اور اپنے مرید کو اس کے اہتمام کی تلقین فرمائی ہے۔

آئیے اب اِن امور سے متعلق فاضلِ بریلوی کے فتاوٰی کا جائزہ لیں۔ برصغیر ہندو پاکستان میں عرس کے دو طریقے رائج ہیں۔ ایک طریقۂ خواص اور دوسرا طریقۂ عوام۔ لیکن بہت سے مقامات پر مؤثر نظم و ضبط کے فقدان یا صاحبانِ نظم و ضبط کی چشم پوشی کی بنا پر دونوں طریقے اس طرح خلط ملط نظر آتے ہیں کہ لوگ ہر دو کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا عرس میں شرکت کے متعلق فاضلِ بریلوی نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے[۱۱۷]

"عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زناں و تماشائے مرداں آثار شرکیہ وارتکاب معاصی، نظارۂ اجنبیہ ولہو ولعب وطواف قبور و رقاصاں و آلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلاشبہ جائز و درست ہے کہ الامور بمقاصدھا ــــ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصالِ ثواب فاتحہ و قرآن خوانی ہے۔"

فاضلِ بریلوی کے اس فتوے سے عرس کی اصل غایت بھی واضح ہے

---

۱۱۷ مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ص ۵ (احمد رضا خاں)

اور جو خلاف شریعت باتیں کی جاتیں ہیں ان کی مذمت بھی ہے۔
درحقیقت کوئی بھی عمل صالح اس لئے برا نہیں بن جاتا کہ بعض لوگ اس کے ارتکاب میں برائی کو داخل کر لیں۔ مثلاً فریضۂ حج رکن اسلام ہے۔ اس کی اپنی مسلّمہ شرعی حیثیت ہے۔ لیکن فی زمانہ ایسی بھی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ لوگ حج کے مقدس موقعہ پر اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور ان سے حج کی افادیت بھی مجروح ہوتی ہے۔ اسی بناء پر بہت سے بے دین افراد فریضۂ حج کے متعلق نازیبا باتیں کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ چند مفاد پرستوں کے اعمال بد کی بناء پر عملِ حج کو ختم کر دیا جائے۔ ہر اچھائی میں برائی کا داخل کرنا دنیوی ریت ہے۔ برائی کو برائی کہنا اور اس سے اچھائی کی حفاظت کرنا حق شناسی و حق پرستی ہے۔ یہی حق شناسی و حق پرستی فاضلِ بریلوی کے مذکورہ فتوے سے عیاں ہے۔
فاضلِ بریلوی سے مزارات پر عورتوں کے جانے سے متعلق بھی سوال کیا گیا۔ آپ نے جواباً فرمایا ع۱۱۸
" غنیہ (غنیۃ الطالبین مصنفہ شیخ عبدالقادر جیلانی رح) میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر

---

ع۱۱۸ الملفوظ حصہ دوم ص ۱۱۰

صاحب قبر کی جانب سے؟ جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے۔ سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں وہاں حاضری البتہ سنّت جلیلہ عظیمہ قریب الواجبات ہے۔"

فاضل بریلوی سے ایک سوال یہ بھی کیا گیا کہ فرماتے ہیں کیا علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیائے کرام اور طواف کرنا گردِ قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے جواباً لکھا ع۱۱۹

"بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط (بالکل) منع ہے، خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو۔ یہی ادب ہے۔ پھر تقبیل کیونکر متصور ہے۔ یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے۔ اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔

لکل مقام مقال ولکل مقال رجال ولکل رجال مجال ولکل مجال متال نسأل اللہ حسن المآل وعندہ العلم بحقیقۃ کل حال، واللہ تعالیٰ اعلم۔"

فاضل بریلوی کے مذکورہ فتاویٰ سے ان تمام باتوں کی نفی ہو جاتی ہے جو بدگمانی کی بناء پر انکے مسلک سے منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ تو ہر

---

ع۱۱۹ احکام شریعت حصہ سوم ص ۲۳۴

مقام پر شریعت کا دامن تھامے ہوئے نظر آتے ہیں اور خلاف شریعت عمل کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے اور رعایت بھی نہیں کرتے۔ اور یہی انکی شخصیت کا بڑا روشن پہلو ہے کہ جو کچھ کہتے ہیں بلا خوف و خطر کہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاے کرام کی تعظیم و تکریم کی وضاحت کرتے ہوئے ایک دوسرے فتوے میں رقم طراز ہیں ع۱۲۰

"محبوبانِ خدا کی تعظیم بجالائیں جبتک کسی خاص صورت سے شرعًا ممانعت نہ ہو جیسے سجدہ۔ وہاں خاص کا ثبوت مانگنے والا اللہ عزّ وجلّ سے مقابلہ کرنا ہے کہ مولیٰ عزّ وجلّ نے مطلق بلا تقیید و تحدید انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلاۃ والثنا کی تعظیم کا حکم فرمایا قَالَ تعالیٰ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ رسول کی تعظیم و توقیر کرو وَقَالَ تعالیٰ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ جو اس نبی اُمّی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم و مدد اور اس نور کی جو اس کے ساتھ اترا پیروی کریں وہی فلاح پائیں گے"۔

اس فتوے سے بھی یہ حقیقت قطعی واضح ہے کہ فاضلِ بریلوی شریعت مطہرہ کو بہر حال اور بہر صورت پیش نظر رکھتے ہیں نہ اس سے انحراف کرتے ہیں اور نہ کسی کو اس سے تجاوز کرنے یا غفلت برتنے

---

ع۱۲۰ فتاویٰ افریقہ ص ۱۱۲

کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ باتیں درحقیقت انکے خلوص کی مظہر ہیں

## ۷- مسئلہ بابت پیری و مریدی

یہ مسئلہ اولیائے کرام کی تعظیم ہی سے منسلک ہے اسی لئے اس کا کچھ تذکرہ صفحاتِ گزشتہ میں بھی کیا گیا یہ مسئلہ اس لئے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ جب ہم اپنی چودہ سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو انہی سلاسلِ طریقت سے ہر سو نورِ احدیت کی کرنیں بھی پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں اور انہی کے سہارے مومنین اپنے کردار کی تعمیر اور شخصیت کی تشکیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پیری و مریدی نہ صرف فی زمانہ عام لوگوں کی نظر میں ایک ڈھونگ بن کر رہ گئی ہے بلکہ اس کے ذریعہ مفاد پرست سادہ لوح عوام کو لوٹتے کھسوٹتے ہیں لگے رہتے ہیں۔

بیعت کی سنیت اور شیخِ طریقت کی اہمیت سے متعلق آپ چنیدہ مقتدر آراء سے استفادہ کر چکے ہیں۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ تعلیمات اسلامی کو عملی طور پر اختیار کرنے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے یہی واحد راستہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسقدر اہمیت کی حامل شے لوگوں کی نظروں میں مشکوک کیوں بن گئی اور اس کا غلط طریقہ کیوں رائج ہے۔ اس بات کا جواب بہت سادہ اور مختصر ہے لیکن قابلِ غور۔ ہم اپنے مفادات کو

شریعت کے مقابل ترجیح دیتے ہیں۔

باطن کو پاک وصاف بنانے کا احساس زمانہ قدیم سے دنیا کے تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ انسان نے جب بھی دنیوی آلام و مصائب پر نظر ڈالی تو ان کا علاج اس کو اپنے باطن کی صفائی میں نظر آیا۔ اس احساس سے اُن لوگوں میں دنیا کو ترک کر دینے کا تصوّر ابھرا۔ لہٰذا ہندو مت کے جوگی، بدھ مت کے بھکشو، یہودیوں کے ربّی اور عیسائیوں کے راہب اسی راہ جا لگے۔

تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی تعلیم اسلام بھی دیتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اسلام دنیا کو ترک کرنے کی راہ نہیں بتاتا۔

ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اس دنیا کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے اور تم کو آخرت کے لئے۔[ع۱۲۱]

دنیا و آخرت کے درمیان یہی توازن اسلام کا نکتہ امتیاز ہے۔ لہٰذا باطن کی طہارت سے متعلق اسلام نے شریعتِ مطہرہ کے اندر رہتے ہوئے اپنے طور وطریق اور اصول وضوابط مرتب کئے جو کہ عامتہ الناس میں تصوّف کے نام سے معروف ہیں۔ اسی لئے اسلامی تصوّف اُس تصوف سے قطعی جُدا ہے جو باطن کی صفائی کے نام پر دیگر مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اسی لئے اس راہ پر گامزن ہونے کے لئے ایسے رہبر و رہنما

---

ع۱۲۱ حدیث شریف

اور پیر و مرشد کی ضرورت ہوتی ہے جو شریعت و طریقت کا علم بھی رکھتا ہو اور اس پر عمل پیرا بھی ہو۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں ایسے افراد بھی پیری مریدی کا ڈھونگ رچا لیتے ہیں جن کے پاس نہ علم ہوتا ہے اور نہ عمل ۔ وہ ظاہری رنگ و روپ اختیار کر کے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو فریب دیتے رہتے ہیں ۔ اسی لاعلمی کی بناء پر بہت سی غیر اسلامی باتیں دیگر مذاہب کی اختیار کر لی جاتی ہیں ۔ فاضل بریلوی نے ایسے نام نہاد پیروں اور غیر اسلامی باتوں کی سختی سے مخالفت کی ہے ۔ ایک فتوے میں وہ پیر و مرشد میں چار ضروری شرائط کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ ع۱۲۲

۱۔ شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن ۔ بعض لوگ بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں یا بیعت تو کی تھی لیکن خلافت و اجازت نہ تھی بلا اذن مرید کرنا شروع کر دیا۔

۲۔ شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو۔ مکاری کے لئے پیری مریدی کا جال نہ پھیلا رکھا ہو۔

۳۔ عالم ہو یعنی علم فقہ اپنی ضرورت کے قابل اور کافی جانتا ہو۔ اہلسنت کے عقائد سے واقفیت رکھتا ہو۔ کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو۔

---

ع۱۲۲ فتاویٰ افریقہ ص ۱۴۶ تا ۱۴۷

فاضلِ بریلوی اسی فتوے میں بیعت کی اقسام بیان کرتے ہوتے مزید رقم طراز ہیں:[۱۲۳]

"بیعت کی بھی دو قسم ہیں۔ اوّل بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لئے داخلِ سلسلہ ہو جانا۔ آجکل عام بیعتیں بھی ہیں وہ بھی نیک نیتوں کی۔ ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراضِ فاسدہ کے لئے ہوتی ہے وہ خارج از بحث ہیں۔ اس بیعت کے لئے شیخ اتصال کہ شرائطِ اربع (مذکورہ بالا) کا جامع ہو بس ہے اوّل بیکار یہ بھی نہیں مفید اور بہت مفید اور دنیا و آخرت میں بکار آمد ہے محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا، ان سے سلسلہ متصل ہو جانا فی نفسہٖ سعادت ہے۔

دوئم بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ و اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادیٔ برحق واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے۔ اُسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے۔ اس کے چلانے پر راہِ سلوک چلے۔ کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے اس کے لئے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں انہیں افعالِ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے۔ اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔ غرض اس

---

۱۲۳ فتاویٰ افریقہ ص ۱۴۸ تا ۱۵۰

کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعتِ سالکین ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشدین ہے۔ یہی اللہ عزَّ وَجلَّ تک پہنچاتی ہے۔ یہی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے"۔

فاضلِ بریلوی کی ان واشگاف تحریروں سے یہ حقیقت قطعی واضح ہے کہ وہ اُن نام نہاد پیروں کو، جو" بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں یا خلافت و اجازت کے بغیر بلا اِذن مرید کرنے لگتے ہیں"۔ برحق تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اُن لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتے جو" دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے"۔ راہِ بیعت اختیار کرتے ہیں۔ انکی نظر میں ایسے پیر اور مرید دونوں غلط ہیں. لہٰذا ایسے حضرات کو اُن کے مسلک سے کیوں کر وابستہ کیا جا سکتا ہے۔

مزید قابلِ افسوس بات تو یہ ہے کہ لوگ لاعلمی اور بدگمانی کی بناء پر اُن خود ساختہ پیروں کو بھی فاضلِ بریلوی کے مسلک سے منسوب کر دیتے ہیں جو نہ صرف شریعت و طریقت کے علوم و آداب سے ناواقف ہوتے ہیں بلکہ اپنی عیاری و مکاری سے سادہ لوح لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ ایسے لوگ تو معاشرۂ اسلامی میں گم کردہ راہ ہوتے ہیں ان کی اصلاح ہر ایک پر واجب ہے۔

فاضلِ بریلوی کا مسلک تو اُس پیری و مریدی کا علم بردار ہے جو

بندہ کے قلب کو حُبِّ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معمور کرتا ہے اور اس کا تعلق الی اللہ قایم کر دیتا ہے۔ انہیں طریقۂ قادریہ سے نسبت حاصل تھی اور اُسی راہ سے انہوں نے سلوک کی منزلیں طے کی تھیں۔ انہوں نے غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے دامن کو تھاما اور فلاح پائی۔ ایسے ہی مریدوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت قدس سرّہٗ العزیز نے فرمایا تھا[ع۱۲۴]

"جب میں سچے مرید کا منہ دیکھتا ہوں جس نے میرے ہاتھوں پر فلاح حاصل کی تو سیر ہو جاتا ہوں صاحبِ لباس ہو جاتا ہوں۔"

فاضلِ بریلوی کو غوث الورا سے کیا ارادت حاصل تھی اور اُس ارادت نے انہیں کیا بصیرت عطا فرمائی انکے اس شعر سے بخوبی عیاں ہے:

قد بے سایہ ظلِ کبریا ہے[ع۱۲۵]
تو اُس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث

یہ ہے حقیقی پیری اور مریدی کا وہ عکسِ جمیل کہ جہاں بندہ ظلِ کبریا کے عرفان سے نوازا جاتا ہے اور ذاتِ کبریا اُس پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔

محترم علمائے کرام، مشائخ عظام، دانشورانِ اسلام اور شرکائے کانفرنس! بات خاصی طویل ہو گئی۔ لیکن سیر حاصل گفتگو کے لئے تفصیلی

---

ع۱۲۴ الفتح الربانی ص ۵۵ ع۱۲۵ حدائقِ بخشش ص ۲۴۵

جائزہ بھی ناگزیر تھا۔ آپ نے فاضلِ بریلوی کی شخصیت کے مختلف پہلو بھی دیکھے، انکے نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ فرماتے اور اساسی مسائل پر انکی گرانقدر اور بے لاگ آرار بھی سماعت فرمائیں۔ وہ ہر مقام پر حبِ مصطفےٰ ؐ میں سرشار معلوم ہوتے ہیں۔ اہلِ بیت، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کی تعظیم و تکریم کا دامن تھامے ہوئے بھی ملتے ہیں۔ لیکن کسی بھی مقام پر ذوالجلال والاکرام کی عظمت، کبریائی اور جبروت سے بے خبر نظر نہیں آتے۔ وہ ہر جگہ خالق و مخلوق، معبود و عبد، مالک و مملوک اور محب و حبیب کا فاصلہ برقرار رکھتے ہیں۔ اور یہی بات اس امر کی شاہد ہے کہ ان کا مسلک شریعتِ مطہرہ کا مظہر ہے۔

# کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تدوین اور تصنیف و تالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی یا مذکور ہوئیں۔


۱۔ القرآن
۲۔ صحیح بخاری
۳۔ صحیح مسلم
۴۔ مسند احمد
۵۔ مشکوٰۃ شریف
۶۔ خزائن العرفان
۷۔ حاکم
۸۔ مستدرک
۹۔ ترمذی
۱۰۔ حصن حصین
۱۱۔ طبرانی
۱۲۔ شرح الشفاء
۱۳۔ جلاء الافہام ذکر الصلوٰۃ خیر الانام
۱۴۔ الفتح الربانی
۱۵۔ ابن ہشام
۱۶۔ طبقات ابن سعد
۱۷۔ سیرت النبیؐ
۱۸۔ جمالِ مصطفےٰ
۱۹۔ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
۲۰۔ موج کوثر
۲۱۔ شفاء العلیل
۲۲۔ صراطِ مستقیم
۲۳۔ نزہتہ الخواطر
۲۴۔ حجۃ اللہ البالغہ
۲۵۔ کتاب الروح
۲۶۔ شمس المعارف
۲۷۔ مواہب ارواح القدس الکشف حکم العرس
۲۸۔ روح المعانی
۲۹۔ انباء الاذکیا
۳۰۔ الخصائص الکبریٰ
۳۱۔ المواہب الدنیہ
۳۲۔ حیات الانبیاء
۳۳۔ شفاء السقام
۳۴۔ الحاوی للفتاویٰ
۳۵۔ القول البدیع
۳۶۔ وفا الوفا
۳۷۔ اشعتہ اللمعات
۳۸۔ فیوض الحرمین
۳۹۔ حیات مولانا احمد رضا خان
۴۰۔ حیات اعلیٰ حضرت
۴۱۔ احمد رضا خاں الاجازۃ الرضویہ
۴۲۔ حدائق بخشش
۴۳۔ فتاویٰ افریقیہ
۴۴۔ احکامِ شریعت مکمل
۴۵۔ کلام احمد رضا کا تحقیقی ادبی جائزہ
۴۶۔ احکام شریعت حصہ اول
۴۷۔ احکام شریعت حصہ دوم
۴۸۔ احکام شریعت حصہ سوم
۴۹۔ الملفوظ
۵۰۔ فتاویٰ رضویہ
۵۱۔ آبِ حیات
۵۲۔ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ
۵۳۔ المفردات فی غرائب القرآن
۵۴۔ مہر منیر
۵۵۔ فتاویٰ حدیثیہ

# کتاب کے متعلق چند قابلِ قدر آراء

"بحمداللہ! زیرِ نظر مسوّدہ پڑھا، اس میں اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرّہٗ کی شخصیّت کا اجمالی تذکرہ ہے اور ان مسائل پر اچھّی گفتگو کی کوشش کی گئی ہے جو اہلِ سُنّت و جماعت کے مسلک کی عکاسی کرتے ہیں۔"

حضرت مولانا مفتی تقدس علی خان القادری
شیخ الجامعہ، جامعہ راشدیہ خیرپور

"زیرِ نظر کتاب اعلیٰحضرت امامِ اہل سُنّت فاضل بریلوی کی شخصیّت کا اجمالی خاکہ ہے۔ نیز آپکی شخصیت کو اُجاگر کرنے کے لیے جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں وہ وقت کی ایک اہم ضرورت تھی محترم المقام جناب عبدالعزیز عرفی صاحب کی یہ کتاب ہر خاص و عام کے لیے امامِ اہل سُنّت کو سمجھنے کے لیے مویّد و مددگار ثابت ہوگی۔"

السیّد شاہ ترابُ الحق قادری

"زیرِ نظر کتاب میں بڑی وضاحت سے اعلیٰحضرت کے علمی و فقہی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور بہت سے شکوک و شبہات کو رَفع کر دیا ہے۔ عُرفی صاحب نے یہ خدمت انجام دے کر اہلِ سُنّت کی عظیم خدمت کی ہے۔"

پروفیسر شاہ فرید الحق قادری

"جس اَنداز میں فاضلِ بریلوی قدس سرّہ العزیز کا تعارّف کرایا ہے وہ عُرفی صاحب کا ہی حق تھا۔"

مولانا محمد اطہر نعیمی